www.KitaboSunnat.com

کردیں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیئے، اے سورج، اے چاند، اور اے دن تم سب آؤ۔[1]

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

"اسلام رو رہا ہے، اور ان فاسقوں، اور ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں، اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے (ظلم) سے جو اُن میں موجود نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے، اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر و نہی بھی کرتے تھے، اور کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعۃً انتقال پا کر ایسے ہو گئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے، تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتا بھی شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے، اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک دو نوالے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے، اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا رہتا ہے، مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے، نہ تو اس کو پورا کرتا ہے، اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے (بلکہ اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے، اور اس کی حدودِ شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔"[2]

بیعت و تربیت

ان پُرتاثیر اور انقلاب آفریں مواعظ سے اگرچہ اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہونچا، اور ہزارہا انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی، لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لئے صاحبِ دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں

[1] ملفوظات صفحہ ۶۴۹ (فیوض یزدانی)   [2] ایضاً صفحہ ۶۶۱ (فیوض یزدانی)

طالبین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے، ان مجالس کے شرکا و سامعین آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سن کر چلے جائیں، پھر کبھی نہ آئیں، یا ہمیشہ آتے رہیں، لیکن اپنی حالت پر قائم رہیں، اور ان کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلا اور دینی اور اخلاقی شگاف باقی رہیں۔

اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مدارس کے ذریعہ سے (جن کو بہت سی رسوم و قیود کا پابند ہونا پڑتا ہے) عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی و روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں اور پابندیوں کو شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت اور نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو، اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ خلافت جس کا یہ اصلی فرض تھا (اس لئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر یہ خلافت قائم تھی، بقول سیدنا عمر ابن عبدالعزیزؒ وہ ہدایت کے لئے مبعوث ہوا تھا، جبایت (تحصیل وصول) کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھی، بلکہ اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھی، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھی کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں وہ قیادت اور سیاست کی آمیزش پاتی، برداشت نہیں کر سکتی تھی، اس کو فوراً کچل دیتی۔

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ایمان و عمل، اور اتباعِ شریعت کے لئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائب پیغمبران کی دینی نگرانی، اور تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت، اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت گرمیٔ محبت، خلوص وللّٰہیت، جذبۂ اتباعِ سنت، اور شوقِ آخرت پیدا کردے، ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک نئی زندگی سے توبہ کی ہے، اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے، اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر بنیادی حق قائم ہوگیا ہے، پھر اپنے تجربہ و اجتہاد اور کتاب وسنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب و اخلاص، اور ان کے اعمال و عبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت و تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیائے و تجدیدِ دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے، اور لاکھوں بندگانِ خدا کو "حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان" تک پہونچا دیا ہے، اس سلسلۂ زریں کے سرحلقہ اور گلِ سرسبد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا نام اور کام اس "طب نبوی" کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے، الفاظ و اصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات و حقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دورِ انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام کیا ہے، اور ان کی تاریخ محفوظ ہے، لیکن حضرت شیخ نے اپنی محبوب و دلآویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری علو استعداد، اور ملکۂ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں، بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے

سر ہے، آپ سے پہلے وہ اتنا مدون و مرتب اور مکمل و منضبط نہ تھا، نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی، جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہوگئی، آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا، اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہلِ سلسلہ نے تمام ممالکِ اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدیدِ ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کرسکتا، یمن، حضرموت، اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سماٹرا میں اور دوسری طرف افریقہ کے برِاعظم میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیلِ ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبولِ اسلام کا ذریعہ بنا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وجزاہ عن الاسلام خیر الجزاء۔

زمانہ پر اثر

حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا، اور ایک بڑی تائید الٰہی آپ کی ذات، آپ کے کمالات، آپ کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار، اور خلق اللہ میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور ان کی سیرت و زندگی سب اسلام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا، اور اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت، تہذیب نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے اور اس کا خزانۂ عامرہ کبھی جواہرات و نادرات سے خالی نہیں۔

وفات

ایک طویل مدت تک عالم کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے مستفید کرکے اور عالم اسلام میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالمگیر ذوق پیدا کر کے ۵۶۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی ،
صاحبزادہ حضرت شرف الدین علیسی آپ کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں :۔

"جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے کہ جس میں انتقال فرمایا تو آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے کہ آپ کے بعد اس پر عمل کروں، فرمایا ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو، اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھو، اور اپنے تمام ضروریات اللہ کے سپرد کر دو، صرف اسی پر بھروسہ رکھو، اور سب کچھ اسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر وثوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے، اور فرمایا جب دل خدا کے ساتھ درست ہو جاتا ہے، تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے، اور فرمایا میں مغز بے پوست ہوں، اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا میرے گرد سے ہٹ جاؤ، میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں اور باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں، میرے پاس تمہارے سوا اور لوگ (فرشتے) حاضر ہیں، ان کے لئے جگہ خالی کرو، اور ان کے ساتھ ادب کرو، یہاں بڑی رحمت نازل ہے، ان کے لئے جگہ تنگ نہ کرو، اور آپ بار بار فرماتے تھے، تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں، اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے، اور میری اور تمہاری توبہ قبول کرے، بسم اللہ! آؤ اور واپس نہ جاؤ، اور یہ آپ ایک دن ایک رات برابر فرماتے رہے، اور فرمایا تم پر افسوس! مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، نہ کسی فرشتہ کی، نہ ملک الموت کی، اے ملک الموت! ہمارے کارساز نے تم سے زیادہ ہم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، اور اس دن جس کی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک بڑی سخت چیخ ماری تھی، اور آپ کے دو صاحبزادے شیخ عبدالرزاق و شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلاتے، اور فرماتے تھے، تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور برکتیں، حق کی طرف رجوع کرو، اور صف میں داخل ہو، میں ابھی تمہارے پاس آیا، اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ نرمی کرو، پھر آپ پر امر حق آیا، اور موت کے نشہ نے غلبہ کیا، اور آپ نے فرمایا، میرے اور تمہارے اور

تمام خلق کے درمیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مجھے کسی پر قیاس نہ کرو، اور نہ کسی کو مجھ پر، پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ کی تکلیف اور حال دریافت کیا تو فرمایا مجھ سے کوئی نہ پوچھے، میں علم الٰہی میں پلٹے کھا رہا ہوں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ کے مرض کو پوچھا تو فرمایا میرے مرض کو نہ کوئی جانتا ہے، اور نہ کوئی سمجھتا ہے، نہ انسان نہ جن، نہ فرشتہ، خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا، حکم بدل جاتا ہے، اور علم نہیں بدلتا، حکم منسوخ ہو جاتا ہے، علم منسوخ نہیں ہوتا اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور باقی رکھتا ہے، اور اس کے پاس اصلی تحریر ہے، جو کچھ وہ کرتا ہے، اس سے بازپرس نہیں ہوتی، اور خلق سے بازپرس ہوتی ہے، صفات کی خبریں گزر رہی ہیں جیسی آئی ہیں، پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالجبار نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ فرمایا میرے کل اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں، مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں، اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے، پھر آپ کا وقت اخیر آیا، تو آپ فرمانے لگے میں اس خدا سے مدد چاہتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے، اور زندہ ہے، جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، پاک ہے، وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی، اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ نے لفظ "تعزز" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا، تب آپ بار بار اسے دہراتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند اور سخت کر کے لفظ "تعزز" اپنی زبان سے ٹھیک فرمایا پھر (تین بار) اللہ اللہ اللہ فرمایا، اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہوگئی، اور زبان تالو سے چپک گئی، اور روح مبارک رخصت ہوگئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ"[1]

حضرت شیخ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور نفوس و اخلاق کے مربیوں

[1] الکلا رموز الغیب ص ۱۸۹-۱۹۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی ایک جماعت چھوڑ گئے، جس نے آپ کے کام کو جاری رکھا، اور بڑھتی ہوئی مادیت اور غفلت کا مقابلہ کرتے رہے۔[1]

---

[1] حضرت شیخ کے بعد جن عارفین و مصلحین نے دعوت و تذکیر اور تربیت نفوس کا کام پوری طاقت اور عمومیت سے جاری رکھا، اور غفلت اور دنیاوی انہماک کا مقابلہ اور اخلاقی اور نفسانی امراض کا علاج کیا، ان میں حضرت شیخ کے فیض یافتہ اور شیخ بغداد شیخ ابوالنجیب سہروردی کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ الشیوخ ابوحفص شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۹۳ھ-۶۳۲ھ) سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے، جو طریقۂ سہروردیہ کے بانی اور تصوف کی مقبول کتاب "عوارف المعارف" کے مصنف ہیں۔

ابن خلکان لکھتے ہیں "لم یکن فی آخر عمرہ فی عصرہ مثلہ وکان شیخ الشیوخ ببغداد" (اخیر عمر میں ان کے زمانہ میں ان کی نظیر نہ تھی، اور وہ بغداد کے سب سے بڑے شیخ اور اپنے فن میں مرجع تھے[1]) (ابن النجار کہتے ہیں "انتہت الیہ الریاسۃ فی تربیۃ المریدین ودعاء الخلق الی اللّٰہ" (تربیت مریدین اور دعوت الی اللہ کے کام میں وہ مرجع خلائق تھے[2]) ابن خلکان کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ کے مشائخ دور دور سے ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور استفادہ کرتے رہتے تھے،[3] شیخ کے مواعظ سے خلق اللہ کو بہت نفع ہوا، ابن خلکان کے الفاظ ہیں "وکان لہ مجلس وعظ وعلی وعظہ قبول کثیر ولہ نفس مبارک" وہ اہتمام سے وعظ فرمایا کرتے تھے، ان کے وعظ کو اللہ تعالٰی نے بڑی قبولیت عطا فرمائی، اور ان کے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو بڑا نفع تھا۔)

تصوف کو بدعات سے پاک کرنے اور کتاب و سنت کو اس کا ماخذ بنانے کی کوشش میں حضرت شیخ کا تجدیدی حصہ ہے، ان کی کتاب "عوارف المعارف" کو اگر اس فن کی قدیم کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ان کی اس تجدیدی کام کا اندازہ ہوتا ہے۔[4]

اللہ تعالٰی نے شیخ شہاب الدینؒ کو بڑے بلند پایہ اور عالی استعداد خلفاء عطا فرمائے جنھوں نے دعوت و تربیت کا کام بڑی قوت و وسعت کے ساتھ انجام دیا، ان کے صرف ایک خلیفہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ہندوستان میں جو فیض پہنچا، اور خلق اللہ کو ہدایت ہوئی، وہ ان کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے لئے کافی ہے۔

(حاشیہ علی الحاشیہ) [1] وفیات الاعیان ج ۳ ص ۱۱۹ (النہضۃ المصریہ) [2] مرآۃ الجنان للیافعی ج ۴ ص ۸۱ [3] وفیات الاعیان ج ۳ ص ۱۲۰ [4] نواب صدیق حسن خان مرحوم لکھتے ہیں "در تصوف سنی کتابے بہتر از عوارف نیست" "تقصار جیود الاحرار" ص ۶۳

علامہ ابن جوزیؒ

عبدالرحمٰن ابن جوزی، دعوت و اصلاح کا ایک دوسرا نمونہ ہیں، وہ اپنے زمانہ کے یکتائے روزگار مفسر، محدث، مورخ، ناقد، مصنف اور خطیب ہیں، اور ان میں سے ہر موضوع پر ان کی ضخیم تصنیفات اور علمی کارنامے ہیں۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم

۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، گویا حضرت شیخ سے ۳۷ سال چھوٹے ہیں، بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو ماں نے مشہور محدث ابن ناصر کی مسجد میں چھوڑ دیا، ان سے حدیث سنی، قرآن مجید حفظ کیا، اور تجوید میں مہارت پیدا کی، شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی، اور بڑی محنت و انہماک اور جفاکشی سے علم کی تحصیل کی، اپنے صاحبزادہ سے اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا، بڑی عمر کے طلبہ میرے ہم سبق تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں یا زور سے ہنسا ہوں، سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے کے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا، وہ حدیث و سیرت کی جو بات کہتا، وہ مجھے زبانی

www.KitaboSunnat.com

یاد ہو جاتی، پھر گھر جا کر اس کو لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے، اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

میں اساتذہ و شیوخ کے حلقوں میں حاضری دینے میں اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی، صبح اور شام اس طرح گزرتی کہ کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق کی احسان مندی سے بچایا۔"[1]

کتابت حدیث میں انہماک

حدیث کی سماعت و کتابت میں اتنا اشتغال رہا، اور اپنے ہاتھ سے مرویات حدیث کی اتنی کتابت کی کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے انتقال کے وقت وصیّت کی کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور بُرادہ سے گرم کیا جائے، جو حدیث کے لکھنے کے لئے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا چنانچہ وہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو گیا اور وہ بچ رہا۔[2]

ذوقِ مطالعہ

مطالعہ کا ذوق اور اس کی حرص بچپن ہی سے بڑھی ہوئی تھی، بغداد عظیم الشان کتابی ذخیروں اور وسیع کتب خانوں سے مالامال تھا، ابن جوزی کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا، ان کا مطالعہ کسی خاص فن یا موضوع سے مخصوص نہ تھا، وہ ہر موضوع کی کتابیں پڑھتے تھے، اور ان کو آسودگی نہیں ہوتی تھی، "صید الخاطر" میں جو ان کے خیالات و تاثرات کا کشکول ہے، لکھتے ہیں:۔

"میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دفینہ ہاتھ آ گیا، اگر میں کہوں کہ میں نے بیس ہزار[3]

[1] لفتة الكبد فی نصیحة الولد صـ ۸۱، ۸۲ [2] ابن خلکان ج ۳ صـ ۳۲۱

کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا، اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات و اخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوتِ حافظہ، ذوقِ عبادت اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا، جو ان کتابوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی، اور اس وقت کے طلبۂ علم کی کم ہمتی منکشف ہو گئی۔"[1]

تصنیف و تالیف اور تبحر علمی

علامہ ابن جوزی تصنیف و تالیف کی طرف نو عمری ہی سے متوجہ ہوئے، روزانہ چار جزو لکھنے کا زندگی بھر معمول رہا، حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی تالیفات شمار کیں، تو ہزار تک پہونچیں، حدیث میں ایسا بلند پایہ رکھتے تھے کہ دعویٰ سے کہتے تھے کہ ہر حدیث کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال ہے، ادب و انشا و خطابت میں بغداد میں ان کی نظیر نہ تھی۔

تقویٰ اور ذوق عبادت

ان علمی کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دیانت و تقویٰ، اور ذوقِ عبادت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، ان کے نواسہ ابوالمظفر کہتے ہیں کہ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا، بچپن میں کسی بچہ کے ساتھ کھیلے نہیں، کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی، ساری عمر یہی حال رہا، ابن النجار کہتے ہیں کہ ان کو اذواقِ صحیحہ حاصل تھے، اور حلاوتِ مناجات و لذتِ دعا کے ذوق آشنا تھے، ابن الفارسی کا بیان ہے کہ شب بیدار تھے، اور ذکر اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے، ان کی تصنیفات اور حالات و اشارات سے خود معلوم ہوتا ہے کہ چشم بینا اور دل بیدار رکھتے تھے، اور جمعیتِ خاطر اور تعلق

[1] صید الخاطر ج ۳ صـ ۶۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مع اللہ کو سرمایۂ زندگی سمجھتے تھے، اور اس میں کمی آنے سے بیچین و مضطرب ہو جاتے تھے، "صید الخاطر" میں اپنی ایک حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ابتدائے عمر ہی سے میرے اندر طریق زہد اختیار کرنے کی رغبت اور اندرونی تقاضا تھا، روزے اور نوافل کا اہتمام و التزام تھا، اور تنہائی مرغوب تھی، اس وقت میرے دل کی بڑی اچھی حالت تھی، میری چشم بصیرت روشن اور سریع الادراک تھی، عمر کا جو لمحہ بغیر طاعت کے گزر جاتا، اس پر افسوس ہوتا، ایک ایک گھڑی غنیمت معلوم ہوتی، اور زیادہ سے زیادہ عمل اور خدا کی رضا کا کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا، مجھے اللہ کے ساتھ ایک تعلق اور اُنس اور دعا میں لذت و حلاوت محسوس ہوتی، اس کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ بعض حکام و اہلِ کارانِ سلطنت میری حسن تقریر اور وعظ سے متاثر ہوئے، اور انھوں نے مجھے اپنی طرف مائل کیا، اور طبیعت بھی مائل ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حلاوت جو دعا و مناجات میں محسوس ہوتی تھی، جاتی رہی، پھر دوسرے حاکم نے اپنی طرف مائل کیا، میں (مشتبہ چیزوں کے ڈر سے) اس کے اختلاط اور کھانے پینے سے بچتا تھا، اور میری حالت کچھ بُری نہ تھی، پھر رفتہ رفتہ تاویل کا دروازہ کھل گیا، اور میں نے مباحات میں آزادی سے کام لیا، تو وہ ساری کیفیت جاتی رہی، جتنا میں ان حاکموں سے ملتا اور انکے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا، قلب کی تاریکی بڑھتی جاتی، یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوا کہ وہ روشنی بجھ گئی، اور قلب تاریک ہو گیا، اس صورتِ حال سے میری طبیعت میں ایک بیچینی پیدا ہوئی، اس بیچینی کا اثر مجلسِ وعظ کے سامعین پر یہ پڑا کہ وہ بھی بیچین اور متاثر ہونے لگے اس بیچینی کے اثر سے ان کو بکثرت توبہ اور اصلاح کی توفیق ہوتی، اور میں خالی ہاتھ کا خالی ہاتھ رہتا، اپنی اس مفلسی اور بدقسمتی کو دیکھ کر میرا اضطراب اور بڑھا، لیکن کوئی علاج بن نہ آیا، آخر میں نے صالحین کی قبور کی زیارت کی، اور اللہ سے اپنے دل کی اصلاح کی دعا کی، بالآخر اللہ کے لطف و کرم نے میری دستگیری کی، اور مجھے کشاں کشاں خلوت کی طرف مائل کیا، جس سے

مجھے وحشت تھی، اور وہ دل جو میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا، پھر قابو میں آیا، اور جو حالت مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی تھی اس کا عیب مجھ پر ظاہر ہوا، میں اس خوابِ غفلت سے بیدار ہوا، اور میں نے اپنے مہربان و شفیق آقا (خدا) کا دل کھول کر شکر ادا کیا"[1]

ظاہری محاسن واوصاف

ابن جوزی اس لازوال دولت کے ساتھ دولت دنیا، دولتِ عافیت اور دولتِ جمال سے بھی بہرہ مند تھے، موفق عبد اللطیف کہتے ہیں، کہ وہ نہایت خوش پوشاک، خوش خوراک، خوش مذاق، اور نفیس طبع تھے، ابن الدبیثی کہتے ہیں کہ وہ شیریں زبان، شیوہ بیان، خوش آواز، موزوں قامت اور خوش اندام تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ فراخ دست اور با حرمت رکھا، اپنی صحت اور اعتدال مزاج کا بڑا اہتمام رکھتے، اور ایسی چیزوں کا استعمال کرتے رہتے، جو ذکاوت و لطافت مزاج میں معین ہیں، "صید الخاطر" میں جا بجا صحت کی حفاظت، اعتدال مزاج، اور بد پرہیزی سے پرہیز کرنے کی تلقین کی ہے، تلبیس ابلیس میں زہد کے مبالغہ آمیز اور تشدد دانہ عجمی رجحانات پر جا بجا تنقید کی ہے۔

بلند ہمتی اور جامعیت کا شوق

ان کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی، اور کسب کمالات اور جامعیت کا شوق ہے، جس کا اظہار انھوں نے اپنے حالات میں جا بجا کیا ہے، انھوں نے جب کبھی مشہور حوصلہ مندوں اور بلند ہمتوں کا جائزہ لیا ہے، ان کی حوصلہ مندی اپنی بلند ہمتی کے سامنے پست اور محدود نظر آئی ہے، "صید الخاطر" میں ایک جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں۔

"انسان کے لئے سب سے بڑی ابتلا اس کی بلند ہمتی ہے، اس لئے کہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے، وہ

[1] صید الخاطر ج ۱ ص ۲۲-۱۲۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلند سے بلند مراتب کو انتخاب کرتا ہے، پھر کبھی زمانہ مساعد نہیں ہوتا، کبھی وسائل مفقود ہوتے ہیں، تو ایسا شخص ہمیشہ کوفت میں رہتا ہے، مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا فرمایا ہے، اور اس کی وجہ سے میں بھی تکلیف میں ہوں، لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کاش مجھے یہ بلند حوصلہ نہ عطا ہوتا، اس لئے کہ زندگی کا پورا لطف اور بے فکری بے عقلی، اور بے حسی کے بغیر نہیں، اور صاحب عقل یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی عقل کم کر دی جائے، اور زندگی کا لطف بڑھا دیا جائے، میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بلند ہمتی کا بڑی اہمیت سے ذکر کرتے ہیں، لیکن غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی ساری بلند ہمتی صرف ایک ہی صنف اور شعبہ میں ہے، اس کے علاوہ دوسرے شعبوں میں (جو بعض اوقات ان کے شعبہ سے زیادہ اہم ہوتے ہیں) ان کو اپنی کمی یا پستی کی کوئی پرواہ نہیں، شریف رضی اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ "ہر جسم کی لاغری کا ایک سبب ہے، اور میرے جسم کی مصیبت میری بلند ہمتی ہے" لیکن میں نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حکومت کے سوا اس کا کوئی مطمح نظر نہ تھا، ابو مسلم خراسانی اپنی جوانی کے زمانہ میں سوتا نہ تھا، کسی نے اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ دماغ روشن، ہمت بلند، نفس بلندیوں کا حریص، اس سب کے ہوتے ہوئے پست اور محدود زندگی، بھلا نیند کس طرح آئے؟ کسی نے کہا کہ تمہاری تسکین کس طرح ہو سکتی ہے؟ کہا کہ صرف اس طرح کہ سلطنت حاصل ہو جائے، لوگوں نے کہا کہ پھر اس کی کوشش کرو، اس نے کہا کہ یہ خطروں میں پڑے اور جان کی بازی لگائے بغیر ممکن نہیں، لوگوں نے کہا کہ پھر کیا مانع ہے؟ کہا کہ عقل روکتی ہے، پوچھا گیا کہ پھر کیا ارادہ ہے؟ کہا کہ پھر عقل کا مشورہ قبول نہیں کروں گا، اور نادانی کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دوں گا، نادانی سے خطرہ مول لوں گا اور جہاں عقل کے بغیر کام نہیں چلتا، وہاں عقل سے کام لوں گا، اس لئے کہ گمنامی اور افلاس لازم و ملزوم ہیں، میں نے اس فریب خوردہ حوصلہ مند (ابو مسلم) کے حالات پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ اس نے سب سے اہم مسئلہ ہی کی بیخ کنی کر دی، اور وہ مسئلہ آخرت ہے، وہ حکومت کی طلب میں دیوانہ رہا، اس کی خاطر

اس نے کتنا خون بہایا، کتنے بے گناہ بندگان خدا کو قتل کیا، یہاں تک کہ اس کو دنیاوی لذتوں کا ایک قلیل حصہ حاصل ہوا، جو اس کا مطلوب تھا، لیکن اس کو آٹھ سال سے زیادہ اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ ملا، اس کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا، وہ اپنی عقل سے اپنا کوئی بندوبست نہ کر سکا، اور (سفاح کے ہاتھوں) قتل ہو کر دنیا سے بڑی بُری حالت میں رخصت ہو گیا، اسی طرح متنبّی نے اپنی بلند ہمتی اور حوصلہ مندی کا بڑا ترانہ گایا ہے، لیکن میں نے دیکھا کہ اس کو محض دنیا کی ہوس تھی۔

لیکن میری عالی ہمتی کا معاملہ عجیب ہے، میں علم کا وہ درجہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک مجھے یقین ہے کہ پہونچ نہیں سکوں گا، اس لئے کہ میں تمام علوم کا حصول چاہتا ہوں، خواہ ان کا کچھ موضوع ہو، پھر ان میں سے ہر علم کی تکمیل اور احاطہ چاہتا ہوں، اور اس مقصد کے ایک حصہ کا حصول بھی اس چھوٹی سی عمر میں ناممکن ہے، پھر میرا یہ حال ہے کہ اگر کسی فن میں کسی کو کمال حاصل ہوتا ہے، اور دوسرے فن میں وہ ناقص ہوتا ہے، تو مجھے وہ ناقص نظر آتا ہے، مثلاً محدث فقہ سے بے بہرہ ہے، فقیہ حدیث سے بے خبر، میرے نزدیک علم کا نقص ہمت کی پستی کا نتیجہ ہے، پھر علم سے میرا مقصود پورا پورا عمل ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ مجھ میں بشر حافی کی احتیاط اور معروف کرخی کا زہد جمع ہو جائے، پھر یہ بات تصانیف کے مطالعہ، عامۃ الناس اور بندگان خدا کو تعلیم و افادہ اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کے مشاغل کے ساتھ بہت مشکل ہے، پھر میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مخلوق سے مستغنی رہوں، اور بجائے ان کا احسان لینے کے ان پر احسان کرنے کے قابل بن سکوں، درآنحالیکہ علم کے ساتھ اشتغال کسب معاش سے مانع ہے، دوسروں کا ممنون ہونے اور ان کے سلوک و ہدایا کو قبول کرنے کو میری ہمت گوارا نہیں کرتی، پھر مجھے اولاد کی بھی خواہش ہے، اور بلند پایہ تصانیف کا بھی شوق ہے تاکہ یہ سب میری یادگار اور دنیا سے جانے کے بعد میرے قائم مقام ہوں، اس کا اہتمام کیا جائے تو دل کے پسندیدہ اور محبوب مشغلہ خلوت و تنہائی میں فرق آتا ہے، اور طبیعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے، پھر مجھے طیبات و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستحسنات سے جائز لطف لینے کا بھی شوق ہے، لیکن اس میں مال کی کمی سدِ راہ ہے، پھر اگر اس کا سامان بھی ہو جائے تو جمعیت خاطر رخصت، اسی طرح میں ان غذاؤں اور ایسے کھانے پینے کا بھی شائق ہوں، جو جسم کے موافق اور اس کے لئے مفید ہوں، اس لئے کہ میرا جسم نفاست پسند اور شائق واقع ہوا ہے، لیکن مال کی کمی یہاں بھی رکاوٹ بنتی ہے، یہ سب درحقیقت اضداد کو جمع کرنے کی کوشش ہے، بھلا اس عالی ہمتی کا مقابلہ وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں، جن کو صرف دنیا مطلوب ہے، پھر میری خواہش یہ بھی ہے کہ دنیا کا حصول اس طرح ہو کہ میرے دین پر آنچ نہ آئے، اور وہ بالکل محفوظ ہو، اور نہ میرے علم اور عمل پر کچھ اثر پڑے، میری بے چینی کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے، ایک طرف مجھے شب بیداری عزیز ہے، احتیاط وتقویٰ کا اہتمام ہے، دوسری طرف علم کی اشاعت وافادہ اور تصنیف وتالیف اور جسم کے مناسب غذائیں بھی مطلوب ہیں، اور یہ بغیر قلب کی مشغولیت کے ممکن نہیں، ایک طرف لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کی تعلیم بھی ضروری ہے، دوسری طرف خلوت وتنہائی کی دعا ومناجات کی حلاوت میں کمی ہو تو اس پر سخت تاسف ورنج ہوتا ہے، متعلقین کے لئے قوت مالایموت کا انتظام کیا جائے تو زہد واحتیاط کے معیار میں فرق آتا ہے، لیکن میں نے اس ساری تکلیف اور کوفت کو گوارا کر رکھا ہے، اور راضی برضا ہو گیا ہوں، اور شاید میری اصلاح وترقی اسی تکلیف وکشمکش میں ہے، اس لئے کہ بلند ہمت ان اعمال کی فکر میں رہتے ہیں، جو خدا کے یہاں باعثِ تقرب ہیں، میں اپنے انفاس کی حفاظت کرتا ہوں، اور اس سے احتیاط کرتا ہوں، اور اس سے احتیاط کرتا ہوں کہ ایک سانس بھی کسی لایعنی کام میں صرف ہو، اگر میرا مطلوب حاصل ہو گیا تو سبحان اللہ ورنہ نیۃ المؤمن خیر من عملہ۔"[1]

مجالسِ وعظ اور تاثیر

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالسِ درس ہیں، ان مجالسِ وعظ

[1] صید الخاطر ج ۲ ص ۳۴۰-۳۴۴

نے سارے بغداد کو زیر وزبر کر رکھا تھا، خلفاء وسلاطین، وزراء اور اکابر علماء ان میں بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ آدمی ایک ایک وعظ میں شمار کئے گئے ہیں، دس پندرہ ہزار آدمیوں سے تو کسی طرح کبھی کم نہ ہوتے،[1] تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے، وجد وشوق میں گریبان پھاڑتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں، آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، توبہ کرنے والوں کا کچھ شمار نہ تھا، اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس[2] ہزار یہودی عیسائی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی۔[2]

ابن جوزی نے اپنی مجالسِ وعظ میں بدعات ومنکرات کی کھل کر تردید کی، عقائدِ صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا، اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت اور عام رجوع کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ ہوا، سنت کو ان کے مواعظ ودرس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا، اور خلیفۂ وقت اور امراء بھی امام احمد کے (جو اس زمانہ میں مسلکِ سلف اور طریقۂ سنت کی نشانی سمجھے جاتے تھے) معتقد اور ان کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے۔

ان کی ناقدانہ تصانیف

ابن جوزی نے زبانی وعظ وتقریر پر اکتفا نہیں کی، انھوں نے متعدد کتابیں ایسی لکھیں، جنھوں نے علمی طبقہ پر اثر ڈالا، اور غلط رجحانات کی اصلاح کی۔

"کتاب الموضوعات"

یہ موضوعاتِ حدیث پر ان کی ایک کتاب ہے، جس میں انھوں نے ان حدیثوں کی حقیقت بیان کی ہے، جن سے اس زمانہ کے اہل ہویٰ یا ضعیف العلم متصوفین استدلال کرتے تھے، اور وہ لوگوں کی گمراہی اور

[1] صید الخاطر ج ۱ ص ۲۱ [2] ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدہا غلط فہمیوں کا باعث بنتی تھیں، اس طرح انھوں نے اس شاخ پر تیشہ چلایا جس پر اہلِ بدعت نے آشیانہ بنایا تھا، اگرچہ اس میں ان سے خود کہیں کہیں بے اعتدالی ہوئی ہے، اور انھوں نے کہیں کہیں سخت فیصلہ صادر کیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب نے ایک مفید خدمت انجام دی۔

"تلبیس ابلیس"

ان کی دوسری ناقدانہ تصنیف تلبیس ابلیس ہے، جو ان کی نقاد طبیعت اور سلفی ذوق کا اصلی نمونہ ہے، اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے، اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے دیکھا ہے، اور اس کی کمزوریوں، بے اعتدالیوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی کی ہے، اور دکھلایا ہے کہ شیطان نے کس کس طرح سے اس امت کو دھوکا دیا ہے، اور کن کن راہوں سے اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے، انھوں نے اس کتاب میں کسی طبقہ اور کسی شخص کی رعایت نہیں کی، اور کسی کو معاف نہیں کیا ہے، اس میں علماء و محدثین فقہاء و واعظین، ادباء، شعراء، سلاطین و حکام، عباد و زہاد، صوفیہ اہلِ دین، اور عوام کی علیحدہ علیحدہ کمزوریاں، غلط رسوم و عادات مغالطے اور بے اعتدالیاں بیان کی ہیں، یہ کتاب ان کی وسعتِ نظر، زندگی سے واقفیت، باریک بینی اور دقیقہ رسی کا کامیاب نمونہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے شیطان کی نفسیات و سیاست کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور مذاہب کی تاریخ اور گمراہ فرقوں کے عقائد سے وہ بہت باخبر تھے۔

مختلف طبقات پر تنقید

اس کتاب میں اگرچہ کہیں کہیں وہ اپنی تنقید میں حد سے بڑھ گئے ہیں، اور انھوں نے فیصلہ کرنے میں عجلت اور شدّت سے کام لیا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں بڑی کارآمد چیزیں، بڑے بیش قیمت

اقتباسات، اور بہت سی صحیح تنقیدیں ملتی ہیں اور اکثر جگہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کی گرفت صحیح اور ان کی تنقید حق بجانب ہے، یہاں پر اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

اپنے زمانہ کے ان علماء پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جو فقہ کے مسائل و جزئیات میں دن رات منہمک تھے، اور اس فن میں موشگافیاں کرتے رہتے تھے۔

"ان فقہاء کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور و فکر میں ہے، انھوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا ہے، جن سے قلوب میں رقّت پیدا ہوتی ہے، مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث و سیرت کی سماعت اور صحابۂ کرام کے حالات کا مطالعہ و بیان، سب جانتے ہیں کہ محض ازالۂ نجاست اور ماءِ متغیر کے مسائل کے بار بار دہرانے سے قلوب میں نرمی اور خشیت نہیں پیدا ہو سکتی، قلوب کو تذکیر اور مواعظ کی ضرورت ہے، تاکہ آخرت طلبی کی ہمت اور شوق پیدا ہو، اختلافی مسائل اگرچہ علومِ شریعت سے خارج نہیں، مگر حصولِ مقصد کے لئے کافی نہیں ہیں، جو سلف کے حالات اور ان کے حقائق و اسرار سے واقف نہیں، اور جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے، ان کے حالات سے باخبر نہیں، وہ ان کے راستہ پر کیسے چل سکتا ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ طبیعت چور ہے، اگر اس کو اسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ اہل زمانہ کے طبائع سے اخذ کرے گی، اور ان ہی کی طرح ہو جائے گی، اور اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا تو ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جائے گی، اور ان کا رنگ اور ان کے سے اخلاق پیدا ہوں گے، سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقّت پیدا ہو، قاضی شُریح کے سو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔"[1]

واعظین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

[1] تلبیس ابلیس ص ۱۱۹، ۱۲۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ان میں سے اکثر لوگ بڑی آراستہ اور بڑی پرتکلف عبارت بولتے ہیں، جو اکثر بے معنیٰ ہوتی ہے، اس زمانہ میں مواعظ کا بڑا حصہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور، یوسف زلیخا کے قصوں سے متعلق ہوتا ہے، فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے، اسی طرح گناہ سے بچنے کا ذکر کبھی نہیں ہوتا، ایسے مواعظ سے ایک زانی، ایک سود خوار کو توبہ کرنے کی ترغیب اور توفیق کیسے ہو سکتی ہے، اور کب عورت کو شوہر کے حقوق ادا کرنے اور اپنے تعلقات درست کرنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے، اس لئے کہ یہ مواعظ ان مضامین سے خالی ہوتے ہیں، ان واعظوں نے شریعت کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، اسی لئے ان کا بازار خوب گرم ہے، اس لئے کہ حق ہمیشہ طبیعتوں پر بھاری ہوتا ہے، اور باطل ہلکا اور خوشگوار۔"[1]

آگے لکھتے ہیں :۔

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واعظ سچا اور خیر خواہ ہوتا ہے، لیکن جاہ طلبی اس کے دل میں سرایت کر چکی ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت و تعظیم کی جائے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرا واعظ اس کی قائم مقامی کرے، یا اصلاح کے کام میں اس کی مدد کرنا چاہے تو اس کو ناگوار ہوتا ہے، حالانکہ اگر یہ مخلص ہوتا، تو اس کو اس سے کبھی ناگواری نہ ہوتی۔"[2]

یہی تنقید ان کی علماء پر بھی ہے کہ :۔

"اگر طلبہ کسی اور عالم یا مدرس کے پاس چلے جائیں، جو علم میں اس سے فائق ہے تو اس عالم کو اس سے بڑی گرانی ہوتی ہے، یہ مخلص کی شان نہیں ہے، اس لئے کہ مخلص علماء اور مدرسین کی مثال اطباء کی سی ہے، جو لوجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر کسی مریض کو کسی طبیب کے ہاتھ سے شفا ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔"[3]

حکام و سلاطین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

[1] تلبیس ابلیس صـ ۱۲۵ [2] ایضاً [3] تلبیس ابلیس صـ ۱۳۱ (نقد مسالک العلماء الکاملین)۔

"یہ حضرات شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں، اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل حلال نہیں، ان کو یہ دھوکہ ہے کہ یہ سیاست ہے، جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شریعت ناقص ہے، اس کو تکملہ اور ضمیمہ کی ضرورت ہے، اور ہم اپنی رائے سے اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے، اس لئے کہ شریعت سیاستِ الٰہی ہے، اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) اور ارشاد ہے کہ "لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ" (اس کے حکم کو کوئی مٹانے والا نہیں) تو جو اس سیاست کا مدعی ہے، وہ دراصل شریعت میں خلل اور کمی کا دعویٰ کرتا ہے، اور یہ کفر کی بات ہے۔"[1]

ان حکام و امراء اور سلاطین کی ایک دوسری کمزوری اور مغالطہ کا ذکر کرتے ہیں :۔

"معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے، اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں، شیطان اس کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا، حالانکہ اس خیر سے اس شر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس سے گزرا، اس چنگی والے نے اس کی کشتی روک لی، وہ تاجر اپنے زمانہ کے مشہور مردِ صالح مالک بن دینار کے پاس آیا، اور ان سے واقعہ بیان کیا، مالک بن دینار چنگی والے کے پاس گئے، اور اس تاجر کی سفارش کی، اس نے اس کی بڑی تعظیم کی، اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی، وہیں سے کہلوا دیا ہوتا، ہم تعمیل کرتے، پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی، انھوں نے اس برتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس برتن سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے، پھر فرمایا کہ میں تمہارے حق میں کیا دعا کروں جبکہ ہزار آدمی تمہارے لئے بد دعا کرتے ہیں، کیا ایک آدمی کی سُن لی جائے گی، اور ہزار کی نہ سُنی جائے گی"[2]

[1] نقد مسالک الولاۃ والسلاطین صـ ۱۳۲ [2] ایضاً صـ ۱۳۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک جگہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ "ان امراء اور دنیا داروں کو علماء و فقہاء سے زیادہ خلاف شرع پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، اور ان پر وہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں، جبکہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے، اس لئے کہ علماء اطباء کی طرح ہیں، اور دوا میں خرچ کرنا انسان کو بڑا بار معلوم ہوتا ہے، لیکن ان پیروں اور قوالوں پر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا مغنیات (گانے والی عورتوں) پر خرچ کرنا، یہ بھی ان کے لئے گویوں اور مداریوں کی طرح سامان تفریح اور لازمہ ریاست ہیں۔[1]

اسی طرح سے یہ لوگ بناوٹی زاہدوں اور تارک الدنیا درویشوں کے بڑی جلدی معتقد ہوتے اور ان کو علماء پر ترجیح دیتے ہیں، یہ لوگ اگر سب سے بڑے جاہل کے جسم پر درویشی کا لباس دیکھ لیں تو فوراً معتقد ہو جائیں اور اگر وہ سر کو جھکائے اور خشوع و خضوع کا اظہار کرے تو فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی، اور کہتے ہیں کہ بھلا اس درویش اور فلاں عالم کا کیا مقابلہ، یہ تارک الدنیا وہ طالب دنیا، یہ اچھی غذائیں کھاتا ہے، نہ شادی کرتا ہے حالانکہ محض جہالت ہے، اور شریعتِ محمدیؐ کی تحقیر ہے کہ ایسے زہد کو علم پر ترجیح دی جائے، خدا کا بڑا احسان ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے، ورنہ اگر آپ کو شادیاں کرتے، پاک و صاف چیزیں کھاتے، اور میٹھے اور شہد کی رغبت رکھتے ہوئے پاتے تو آپ سے بھی بد اعتقاد ہو جاتے۔[2]

عوام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"شیطان نے بہت سے عوام کو یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور متاثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود محفل خیر میں شرکت اور رقت ہے، اس لئے کہ وہ واعظوں سے اس کے فضائل سنتے رہتے ہیں، اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مقصود عمل ہے، تو یہ سننا اور عمل کرنا ان کے لئے گرفت کا باعث اور وبال جان ہے، میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو

[1] نقد مساکہ لولاۃ والسلاطین ص ۳۷۳ [2] تلبیس ابلیس علی العوام ص ۸۹-۳۸۸

جانتا ہوں، جو سالہا سال سے مجلس وعظ میں شریک ہوتے ہیں، اور روتے ہیں، متاثر ہوتے ہیں لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں نہ تجارت میں دھوکہ دینے سے باز آتے ہیں، ارکان صلوٰۃ سے جیسے وہ بے خبر برسوں پہلے تھے، ویسے ہی اب بھی ہیں، مسلمانوں کی غیبت، والدین کی نافرمانی میں جس طرح پہلے مبتلا تھے، اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں، شیطان نے ان کو یہ جُل دے رکھا ہے کہ مجلس وعظ کی حاضری اور گریہ و بکا اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علماء و صالحین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔"[1]

دولت مندوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان میں سے بہت سے لوگ مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں، مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے، چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں، اگر رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا اور جانتا ہے، ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک دیوار بنانے کو کہا جائے جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

اسی طرح سے رمضانِ مبارک میں شہرت کے لئے موم بتیاں بھیجتے ہیں، حالانکہ ان کی مسجدوں میں سال بھر اندھیرا پڑا رہتا ہے، اس لئے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا سا تیل مسجدوں میں دینے سے وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوتی جو رمضان میں ایک موم بتی بھیج دینے سے حاصل ہوتی ہے۔"[2]

"صید الخاطر"

"صید الخاطر" ایک کشکول ہے، جس میں مصنف نے اپنے قلبی تاثرات، بے تکلف خیالات، زندگی کے تجربات اور منتشر افکار و حوادث قلمبند کئے ہیں، اور اپنی بہت سی کمزوریوں اور غلطیوں کا بے تکلف

[1] تلبیس ابلیس علی العوام ص ۳۹۳-۳۹۴ [2] تلبیس ابلیس علی اصحاب الاموال ص ۳۹۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراف کیا ہے، اس کتاب میں جا بجا نفس سے مکالمے، سوال و جواب، ذہنی کشمکش کی روداد، معاشرتی زندگی کے تجربے، عورتوں، نوکروں، اور دوستوں کے متعلق تجربہ کی باتیں، اور مفید ہدایات روزمرہ کے واقعات کی تحلیل، امراضِ نفسانی کا بیان، مختلف طبقات پر تنقید، نفس کا احتساب اور صدہا کام کی باتیں ہیں، اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت صداقت اور سادگی و بے تکلفی ہے پوری کتاب اپنے زمانہ کے ادبا و مصنفین کے طرز کے خلاف نہایت رواں و بے تکلف عبارت میں لکھی گئی ہے اور اپنے موضوع پر غالباً ایک عرب عالم و مصنف کی پہلی کتاب ہے۔

عام واقعات سے بڑے بڑے نتائج

ابن جوزی اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے واقعات، اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں، اور یہی ایک عامی اور ایک صاحبِ نظر میں فرق ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے دو مزدوروں کو دیکھا کہ ایک بھاری شہتیر اٹھا کر لے جا رہے ہیں، اور دونوں کچھ گا رہے ہیں،... ایک مصرعہ پڑھتا ہے، دوسرا ترنم کے ساتھ اس کا جواب دیتا ہے، ایک پڑھتا ہے، تو دوسرا کان لگا کر سنتا ہے، پھر دوسرا اس کو دہراتا ہے، یا اسی طرح کے مصرعہ سے جواب دیتا ہے، مجھے خیال ہوا کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کو محنت اور بوجھ کا احساس زیادہ ہو، لیکن اس ترکیب سے ان کا کام آسان ہو جاتا ہے، میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ذہن اتنی دیر دوسرے کام میں لگ کر سستا لیتا ہے، اور کچھ سرور حاصل کر لیتا ہے، اور جواب کی فکر میں مشغول ہو کر اس میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے، اور اس طرح راستہ طے ہو جاتا ہے، اور بوجھ کے احساس سے غفلت ہو جاتی ہے، اس سے میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ انسان نے شرعی ذمہ داریوں اور فرائض کا بڑا بوجھ اٹھا رکھا ہے، اور سب سے بڑا بوجھ اپنے نفس کی سیاست ہے، بڑا کام یہ ہے کہ اس کو

اس کے مرغوبات سے روکا جائے، اور جن چیزوں سے اس کو رغبت نہیں ان پر اس کو قائم رکھا جائے، میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ صبر کے راستہ کو تسلی اور نفس کی جائز دلداری کی مدد سے قطع کیا جائے جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ "رات بھر چلنے سے سواریاں تھک جائیں اور فریاد کریں، تو صبح کی روشنی کی امید دلاؤ اور دن چڑھے آرام کرنے کا وعدہ کرلو"۔

اسی طرح کی حکایت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اور ان کے ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے، ساتھی کو پیاس لگی، اس نے کہا کہ اس کنویں سے پانی پی لیں، بشر حافی نے کہا کہ اگلے کنویں سے پی لیں گے، جب وہ کنواں آیا تو بشر حافی نے آگے کے کنویں کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں تک صبر کرو، اسی طرح تسلی دیتے ہوئے بہت دور لے آئے، پھر اس سے کہا کہ اسی طرح دنیا کا سفر طے ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جس نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، وہ اپنے نفس کو بہلائے گا، اور اس کی دلجوئی کرے گا، اور اس سے وعدہ کرتا رہے گا تاکہ وہ اپنے بوجھ کو سنبھال سکے، اور اس پر صبر کرے، بعض بزرگانِ سلف فرماتے تھے کہ "اے نفس میں تجھے تیرے مرغوب چیز سے جو روکتا ہوں تو محض شفقت اور خوف کی بنا پر" بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ "اپنے نفس کو خدا کی طرف بڑھائے لے جاتا اور وہ روتا ہوتا تھا، پھر رفتہ رفتہ ہنستا کھیلتا اللہ کی طرف بڑھنے لگا، یاد رکھنا چاہیے کہ نفس کی خاطر داری اور ملاطفت ضروری ہے، اور راستہ اسی طرح طے ہوتا ہے"۔[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے دیکھا ہے کہ شکاری کتے جب محلہ کے کتوں کے پاس سے گزرتے ہیں، تو محلہ کے کتے ان کو بھونکتے ہیں، اور بہت شور مچاتے ہیں، اور ان کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ ان کتوں کی بڑی عزت ہے، ان پر جھول پڑی ہے تو ان کو ان پر حسد آتا ہے، لیکن اس کے برخلاف شکاری کتے ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اور ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور ان کے بھونکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، اس سے ایسا معلوم

[1] صید الخاطر ج ۱ ص ۱۴۶-۱۴۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ شکاری کتے گویا ان کتوں کی قوم ہی میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ مقامی کتے موٹے موٹے بدن اور بھدے اعضا کے ہیں، ان میں امانت کی صفت نہیں، لیکن شکاری کتے نازک اور پھرتیلے ہیں، اور جیسا ان کا بدن نازک اور پھرتیلا ہے، اسی طرح ان کے عادات مہذب ہیں، وہ جب شکار کرتے ہیں تو کیا مجال ہے کہ اس کو منہ لگائیں، مالک کے ڈر سے یا اس کے احسانات کے شکریہ میں وہ اس شکار کو جوں کا توں پہنچا دیتے ہیں، اس سے ایک بات تو میں سمجھا کہ بدن اور اخلاق میں خاص مناسبت ہوتی ہے اگر وہ لطیف ہے، تو یہ بھی لطیف ہیں، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کو اس پر حسد نہیں آتا جس کو وہ اپنے طبقہ یا اپنی سطح کا نہیں سمجھتا، اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ایمان و عقل کی دولت سے سرفراز کرے، اس کو اپنے اس حاسد پر حسد نہیں ہوتا، جو ایمان و عقل سے محروم ہو، اور وہ اس کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، اس لئے کہ وہ دوسرے عالم میں ہے، اور یہ دوسرے عالم میں، وہ دنیا کی بنا پر حسد کرتا ہے، اور اس کا مطمحِ نظر آخرت ہے، اور دونوں میں بُعد المشرقین ہے[1]"۔

واقعاتِ زندگی اور نفس سے مکالمہ

وہ واقعات کی پوری تحلیل کرتے ہیں، اور خود اپنی زندگی کے واقعات میں نفس سے حکیمانہ مکالمہ کرتے ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے دعا کی ایک دوسرے صالح بزرگ دعا میں شریک تھے، دعا قبول ہوئی لیکن کس کی دعا قبول ہوئی، اس پر ان کا اپنے نفس سے مکالمہ ہوا۔

"مجھے ایک مرتبہ ایسا معاملہ پیش آیا جس میں اللہ سے مانگنے اور دعا کی ضرورت تھی، میں نے دعا کی، اور اللہ سے سوال کیا، ایک صاحبِ صلاح اور اہلِ خیر بھی میرے ساتھ دعا میں شریک ہو گئے، میں نے قبولیت کے کچھ آثار دیکھے، میرے نفس نے کہا کہ یہ اس بزرگ کی دعا کا نتیجہ ہے، تمہاری دعا کا نتیجہ نہیں، میں نے کہا کہ

[1] صید الخاطر ج ۳ ص ۶۴۰-۶۳۹

مجھے اپنے ایسے گناہوں اور کوتاہیوں کا علم ہے، جن کی وجہ سے واقعی مجھے اس کا حق نہیں کہ میری دعا قبول ہو، لیکن کیا تعجب ہے کہ میری ہی دعا قبول ہوئی ہو، اس لئے کہ یہ مرد صالح ان گناہوں اور تقصیرات سے محفوظ ہے، جن کا مجھے اپنے متعلق علم ہے، لیکن مجھ میں اور اس میں ایک فرق ہے، مجھے اپنی تقصیر کی بنا پر دل شکستگی اور ندامت ہے، اور اس کو اپنے معاملہ پر فرحت و سرور ہے، اور کبھی اعترافِ تقصیر ایسی ضرورتوں کے موقع پر زیادہ کارآمد اور موثر ہوتا ہے، اور ایک بات میں ہم اور وہ مساوی ہیں، وہ یہ کہ ہم دونوں میں سے کوئی اپنے اعمال کی بنا پر فضل کا طالب نہیں، تو اگر میں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ندامت سے گردن جھکا کر اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہوں کہ خدایا مجھے محض اپنے فضل سے عطا فرما، میں بالکل خالی ہاتھ ہوں تو مجھے امید ہے کہ میری سن لی جائے گی، اور ممکن ہے کہ اس کی نظر اپنے حسنِ عمل پر پڑے، اور یہ اس کے لئے روک بن جائے تو اے میرے نفس میرا دل زیادہ نہ توڑ وہ پہلے ہی بہت ٹوٹا ہوا ہے، مجھے اپنے حالات کا ایسا علم ہے، جس کا تقاضا ادب اور تواضع ہے، پھر اپنی تقصیروں کا اقرار ہے، جس چیز کا میں نے سوال کیا ہے، اس کا بے حد محتاج ہوں اور جس سے سوال کیا ہے اس کے فضل کا یقین ہے، اور یہ سب باتیں اس عابد کو حاصل نہیں تو اللہ اس کی عبادت میں برکت کرے، میرا تو اعترافِ تقصیر ہی بڑے کام کی چیز ہے[1]"۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"ایک مرتبہ ایک ایسے معاملہ میں جو شرعاً مکروہ تھا، مجھے کچھ کشمکش درپیش تھی، نفس کچھ تاویلیں سامنے لاتا تھا، اور کراہت کو نظر سے ہٹاتا تھا، اور درحقیقت اس کی تاویلات فاسد تھیں، اور کراہت کی کھلی ہوئی دلیل موجود تھی، میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا، اور دعا کی کہ اس کیفیت کو دور فرمائے اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی، میرے درس کے سلسلہ میں سورۂ یوسف شروع ہو رہی تھی، میں نے

[1] صید الخاطر ج ۱ ص ۱۵۷-۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہیں سے شروع کیا، وہ خیال دل پر مستولی تھا، مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ میں نے کیا پڑھا جب اس آیت پر پہونچا "قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ" تو میں چونکا، اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں ہی اس آیت کا مخاطب ہوں، مجھے دفعتًا ہوش آیا، اور آنکھوں سے غفلت کا پردہ دور ہوا، میں نے اپنے نفس سے کہا تو نے خیال کیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے، وہ زبردستی اور ظلم سے غلام بنا کر بیچے گئے، انھوں نے اس شخص کا اتنا حق مانا جس نے ان کے ساتھ سلوک کیا تھا اور اس کو اپنا آقا کہا، حالانکہ نہ وہ غلام تھے، نہ ان کا کوئی آقا تھا، پھر اپنی اس حق شناسی کی وجہ یہ بیان کی کہ "اَحْسَنَ مَثْوَایَ" مجھے اچھی طرح سے رکھا، اب ذرا اپنے اوپر غور کر، تو حقیقۃً غلام ہے ایسے آقا کا جو تیرے وجود کے وقت سے برابر تیرے ساتھ احسانات کرتا رہا، اور اتنے بار اس نے تیری پردہ پوشی کی جس کا کوئی شمار نہیں، تجھے یاد نہیں کہ اس نے کس طرح تیری پرورش کی، تجھے سکھایا پڑھایا، تجھے روزی دی، تیری حفاظت کی، خیر کے اسباب مہیا کئے، بہترین راستہ پر تجھے ڈالا، اور ہر مکر و دشمنی سے تجھے بچایا، اور حسن صورت ظاہری کے ساتھ باطنی ذکاوت و جودتِ طبع عنایت فرمائی، علوم کو تیرے لئے سہل بنا دیا، یہاں تک کہ مختصر سے عرصہ میں تجھے وہ علوم حاصل ہوئے، جو دوسروں کو طویل عرصہ میں نصیب نہیں ہوئے، تیری زبان پر علوم کو رواں کیا اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان کی تعبیر کی قوت عطا فرمائی، اور مخلوق سے تیرے عیوب کو چھپایا، ان کا معاملہ تیرے ساتھ حسن ظن کا رہا، تیرا رزق بغیر اہتمام و تکلف کے تجھ تک پہونچایا، اور کسی کا احسان مند نہیں بنایا، اور وہ بھی فراغت و اطمینان و کشائش کے ساتھ، بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے کس کس احسان کا تذکرہ کیا جائے حسن صورت کا یا صحتِ اعضا کا یا سلامتِ مزاج، یا اعتدالِ ترکیب کا یا لطافتِ طبع اور دناءت و ابتذال سے بری ہونے کا، یا بچپن ہی سے سیدھے اور معتدل راستہ کی توفیق کا، یا بے حیائیوں اور لغزشوں سے حفاظت کا، یا منقولات کی ترجیح اور حدیث و سنت کی اتباع اور تقلید جامد سے نجات کا،

یا مبتدع کی پیروی، اور اس کے سلسلہ میں شمولیت سے محفوظ رہنے کا، "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" کتنے دشمنوں نے تیرے لئے جال بچھایا، اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بچایا، کتنے مخالفوں نے تجھ کو سبک کرنا چاہا، اور اس نے تجھے سربلندی عطا فرمائی، کتنی نعمتوں سے دوسرے محروم رہے اور تو ان سے سیراب کیا گیا، کتنے آدمی دنیا سے نامراد چلے گئے، اور تو شادکام اور فائز المرام ہے اس حالت میں تیرے دن گزر رہے ہیں کہ تیرا جسم صحیح سالم، دین محفوظ، علم روز افزوں، دلی مقاصد پورے، اگر کوئی مقصد بر نہیں آتا تو اس کی طرف سے صبر پیدا کر دیا جاتا ہے، اور تجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پورا نہ ہونے ہی میں حکمتِ الٰہی تھی، یہاں تک کہ تجھے یقین آجاتا ہے کہ یہی تیرے حق میں بہتر تھا، اگر میں پچھلے احسانات کو گنانا شروع کروں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں، اور وہ ختم نہ ہوں، اور تجھے معلوم ہے کہ جن احسانات کا تذکرہ میں نے نہیں کیا ہے، وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں، اور جن کا ذکر میں نے کیا ہے، ان کی طرف بھی میں نے صرف اشارہ کیا ہے، اس سب کے ساتھ تجھ کو ایسا فعل کرنا کیسے زیب دیتا ہے، جو اس کی مرضی کے خلاف ہے، "مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ"[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے ایک مرتبہ ایک ایسے مسئلہ پر عمل کیا جس کی بعض مذاہب (فقہیہ) میں گنجائش تھی، اور دوسرے مذاہب میں وہ جائز نہ تھا، اس پر عمل کرنے سے مجھے اپنے قلب میں بڑی قساوت محسوس ہوئی، اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں راندۂ درگاہ اور معتوب ہو گیا، اور کچھ محرومی اور گہری تاریکی محسوس ہوئی، میرے نفس نے کہا کہ یہ کیا بات ہے، تم تو دائرۂ فقہاء سے نکلے نہیں، میں نے کہا کہ اے نفس بد! تیرے سوال کا جواب دو طرح سے ہے، اوّل تو یہ کہ تو نے اپنے عقیدہ کے خلاف تاویل کی، اگر خود تجھ سے

[1] صید الخاطر ج ۲ ص ۸۵-۲۸۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتویٰ لیا جاتا تو تو اس کا فتویٰ نہ دیتا۔ اس نے کہا کہ اگر میں اس کے جواز کا قائل نہ ہوتا، تو کرتا کیوں؟ میں نے کہا کہ تو اپنے اس خیال کو دوسرے کے لئے بھی فتویٰ کے طور پر پسند نہیں کرتا، دوسری بات یہ ہے کہ تجھے ظلمت کے اس احساس پر خوش ہونا چاہئے، اس لئے کہ اگر تیرے دل میں نور نہ ہوتا تو تجھ پر یہ اثر ہی نہ پڑتا۔ اس نے کہا کہ بہر حال مجھے اس ظلمت سے جو پلٹ پلٹ کر آتی ہے، وحشت ہے، میں نے کہا کہ پھر اس فعل کے ترک کا عزم کرے اور فرض کرے کہ تو نے جس کو ترک کیا ہے، وہ بالاجماع جائز ہے تب بھی بربنائے ورع و تقویٰ اس کو چھوڑنے کا وعدہ کر، چنانچہ اس عمل سے اس کیفیت سے اس کو نجات ملی[1]۔"

سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت

وہ باوجود محدث و فقیہ ہونے کے اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ قلب کی اصلاح اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ کی ضرورت ہے، "تلبیس ابلیس" اور "صید الخاطر" دونوں میں فقہاء و محدثین اور طلبہ و علماء کو وہ اس کا مشورہ دیتے ہیں، اور اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں، "صید الخاطر" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک و مشغولیت قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں، اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام و حلال کا خالی علم قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سودمند نہیں، قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے، مؤثر احادیث و حکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے اس لئے کہ ان نقول و روایات کا جو مقصود ہے، وہ ان کو حاصل تھا، احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا، بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا، اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ علمی تجربہ اور

[1] صید الخاطر ج ۲ ص ۳۰۴

خود آزمائش کرنے کے بعد ہے، میں نے دیکھا ہے کہ عموماً محدثین اور طلبۂ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی سند حدیث اور کثرتِ مرویات کی طرف ہوتی ہے، اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ جدلیات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے، بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے، سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی، علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور و طریقہ اس کے علم کا اصلی پھل تھا، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ و حدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہادِ امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تاکہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو[1]۔"

صلحاءِ امت کی سیرت

ابن جوزی نے اسی غرض کے لئے سلف صالحین اور صلحائے امت میں سے بہت سے متقدمین اور مشاہیر کی مستقل سیرتیں لکھی ہیں، مثلاً حضرت حسن بصری، سیدنا عمرؓ بن عبد العزیز، حضرت سفیان ثوری، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت بشر حافی، امام احمد بن حنبل، حضرت معروف کرخی[2]، ان مستقل تذکروں کے علاوہ ایک جامع تذکرہ "صفۃ الصفوۃ" لکھا، جو چار جلدوں میں ہے، یہ دراصل ابو نعیم اصبہانی کی مشہور کتاب "حلیۃ الاولیاء" کی تہذیب و تنقیح ہے، جس کو ابن جوزی نے مناسب حذف و اضافہ اور تلخیص کے ساتھ محدثانہ و مورخانہ طرز پر مرتب کیا ہے، اس کتاب میں جو حالات و واقعات آئے ہیں، وہ مؤثر و دل گداز ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی حیثیت سے مستند بھی ہیں، اور مبالغہ آمیز روایات اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔

تاریخ کی اہمیت

ابن جوزی علوم دینیہ میں اشتغال اور فقہ و حدیث میں کمال کے ساتھ ساتھ فنِ تاریخ کی اہمیت و ضرورت

[1] صید الخاطر ج ۲ ص ۳۰۲-۳۰۳ [2] اپنی اس مستقل تالیفات کا تذکرہ انھوں نے خود "صید الخاطر" میں کیا ہے ج ۱ ص ۱۳۷، ص ۱۵۴ و ص ۱۷۹، ج ۲ ص ۳۶۳، ج ۳ ص ۵۶۳، ص ۶۰۴ اور ص ۶۰۶ ان میں سے دو اول الذکر چھپ چکی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بھی بڑے قائل اور اس کی تعلیم کے مبلغ ہیں، ان کے نزدیک تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر علماء و فقہاء سے اپنی کتابوں میں بعض بڑی افسوسناک فروگذاشتیں ہوئی ہیں، جو ان کے منصب اور علم و فضل کے شایانِ شان نہیں، اس لئے وہ طالب علم کو مشورہ دیتے ہیں کہ ہر فن سے وہ فی الجملہ واقف ہو، اور تاریخ سے اتنی واقفیت رکھتا ہو کہ کوئی بڑی تاریخی غلطی نہ کر بیٹھے جو اس کی خفت کا باعث ہو، "صید الخاطر" میں لکھتے ہیں:۔

"فقیہ کو چاہئے کہ ہر فن کے ضروری حصہ سے واقف ہو، تاریخ ہو یا حدیث، لغت ہو یا دوسرا فن اس لئے کہ فقہ تمام علوم کا محتاج ہے، اس لئے ہر فن کے ضروری حصہ سے اس کو واقف ہونا چاہئے میں نے بعض فقہاء کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ شیخ شبلیؒ اور قاضی شریک ایک مجلس میں جمع ہوئے مجھے سن کر تعجب ہوا کہ اس کو دونوں بزرگوں کے زمانہ کا فاصلہ نہیں معلوم! ایک عالم نے ایک مباحثہ کے دوران میں کہا کہ حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے درمیان زوجیت منقطع نہیں ہوئی تھی، اس لئے حضرت علیؓ نے سیدہ کو غسل دیا، میں نے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے، پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے بعد ان کی بھانجی امامہ بنت زینبؓ سے نکاح کیسے کیا، اسی طرح میں نے امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ایسی تاریخی فروگذاشتیں دیکھیں جن سے مجھے سخت حیرت ہوئی کہ انھوں نے کس طرح مختلف واقعات اور تواریخ کو آپس میں ملا دیا، میں نے ان تاریخی اغلاط کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے، اسی طرح انھوں نے اپنی کتاب "مستظہری" میں لکھا ہے جس کو انھوں نے مستظہر باللہ کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ سلیمان ابن عبدالملک نے ابوحازم سے کہلایا کہ مجھے اپنے ناشتہ میں سے کچھ تبرکاً بھیجو، انھوں نے ان کے پاس اُبلا ہوا چوکر بھیجا، سلیمان نے اس کا ناشتہ کیا، پھر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا، اور اس سے عبدالعزیز پیدا ہوئے، عبدالعزیز کے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے، یہ سخت مغالطہ ہے، اس لئے کہ انھوں نے عمر ابن عبدالعزیز کو سلیمان بن عبدالملک کا پوتا قرار دیا، حالانکہ وہ اس کے ابن عم تھے، شیخ ابوالمعالی جوینی نے اپنی کتاب "الشامل" کے آخر میں اصول فقہ

میں ہے، لکھا ہے کہ اہل باطن کی ایک جماعت ناقل ہے کہ حلاج، جنابی قرمطی، اور ابن المقنع نے سلطنت کے نظام کے الٹنے، مملکت کی تخریب اور عوام کی استمالت کی سازش کی، اور ہر ایک نے ایک ایک ملک کی ذمہ داری لے لی، جنابی نے احساء میں سکونت اختیار کی، ابن المقنع ترکستان کے حدود میں جا بسا، اور حلاج نے بغداد کو اپنا مرکز بنایا، اس پر اس کے دونوں ساتھیوں نے فیصلہ کر دیا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا، اور اپنے مقصد میں ناکام رہے گا، اس لئے کہ اہل بغداد دھوکہ نہیں کھاتے، اور بڑے مردم شناس اور فہیم ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ناقل کو یہ معلوم ہوتا کہ حلاج نے ابن المقنع کا زمانہ ہی نہیں پایا، اس لئے کہ ابن المقنع کے قتل کا منصور نے حکم دیا تھا، اور یہ ۱۴۴ھ کا واقعہ ہے، درانحالیکہ ابوسعید الجنابی کا ظہور ۲۸۶ھ میں ہوا ہے، اور حلاج ۳۰۹ھ میں مقتول ہوا، اس بنا پر قرمطی اور حلاج کا زمانہ قریب ہے، لیکن ابن المقنع بہت متقدم ہے، اس کے ان دونوں سے ملنے اور سازش کرنے کا کوئی امکان نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر صاحب علم کو چاہئے کہ دوسرے علوم سے بھی تعلق رکھے، اور اس کا کچھ نہ کچھ مطالعہ ہو، اس لئے کہ ہر علم کا دوسرے علم سے تعلق ہے، ایک محدث کے لئے یہ بات کتنی معیوب ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق اس سے فتویٰ لیا جائے اور وہ جواب نہ دے سکے، اس لئے کہ وہ طرق حدیث کے جمع کرنے میں مشغول ہے، اس کو مسائل و جزئیات کے علم کی فرصت ہی نہیں ہوئی، اسی طرح ایک فقیہ کے لئے یہ بات کتنی نامناسب ہے کہ اس سے ایک حدیث کا مطلب پوچھا جائے، اور وہ حدیث کی صحت اور اس کے مفہوم سے بالکل ناواقف ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ایسی بلند ہمت عطا فرمائے، جو پست اور بے ہمتی کی باتوں کو گوارا نہ کرے۔"[1]

تاریخی تصنیفات

انھوں نے صرف اس تنقید اور مشورہ پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ایک مبسوط کتاب "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم"

[1] صید الخاطر ج ۳ ص ۶۰۲-۶۰۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھی جو دس جلدوں میں ہے، اور جو ابتدائے اسلام سے لے کر ۵۷۴ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے، مصنف پہلے سن لکھتے ہیں، پھر اس سن کے اہم واقعات و حالات کا تذکرہ کرتے ہیں، پھر اس سن میں جن ممتاز اور قابلِ ذکر اشخاص کا انتقال ہوا ہے، ان کے حالات بیان کرتے ہیں، اس طرح یہ کتاب حالات و تذکرہ دونوں کی ایک جامع تاریخ ہے۔[1]

اسی طرح ان کی ایک مختصر کتاب "تلقیح فهوم اهل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" ہے، جو ایک تاریخی بیاض کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں بہت سے تاریخی معلومات یکجا کر دیئے گئے ہیں۔[2]

ادبیت و خطابت

ابن جوزی کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ خطابت پر مورخین کا اتفاق ہے، ان کی مجالسِ وعظ کی مقبولیت اور لوگوں کے ازدحام کا بھی ایک بڑا سبب تھا، انھوں نے "صید الخاطر" میں اپنی اس ذہنی کشمکش کا بھی ذکر کیا ہے کہ نفس نے ان کو اس کی ترغیب دی کہ وہ اس کا اہتمام بالکل چھوڑ دیں، اور الفاظ کی طرف بالکل توجہ نہ کریں، یہ سب تکلف اور تصنع ہے، لیکن انھوں نے اپنے علم اور تفقہ سے اس خیال کو دفع کیا، اور اپنے نفس کو سمجھایا کہ حسنِ کلام ایک خداداد قابلیت، ایک ہتھیار اور ایک کمال کی بات ہے نہ کہ نقص اور عیب، اس لئے ان کو دعوت و تبلیغ میں اس سے کام لینا چاہئے، اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے، اسی طرح ان کے دل میں کئی بار بشدت اس کا خیال پیدا ہوا کہ وہ اس وعظ گوئی اور دعوت و تبلیغ کو چھوڑ کر زہد و انقطاع کی زندگی اختیار کرلیں، اور لوگوں سے بالکل یکسو ہو کر گوشہ نشین ہو جائیں، مگر انھوں نے دلائل و براہین سے اور اپنے نفس سے مفصل مباحثہ و مناظرہ کر کے اس خیال کو

[1] اس کتاب کے آخری پانچ حصے دائرۃ المعارف حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ [2] یہ کتاب ہندوستان میں مولوی سید محمد یوسف صاحب ٹونکی مرحوم کے اہتمام سے شائع ہو چکی ہے۔

ہٹایا، اور اس کو قائل کیا کہ یہ القا شیطانی ہے، شیطان یہ دیکھ نہیں سکتا کہ ہزاروں آدمی اس کے جال سے نکل کر ہدایت کے راستہ پر پڑ جائیں، انبیاء علیہم السلام کا راستہ دعوت و تبلیغ کا تھا، اور ان کی زندگی اجتماع و اختلاط کی تھی، اس میں نفس کا چور یہ ہے کہ وہ بیکاری اور تعطل کو پسند کرتا ہے، اور جد و جہد سے بھاگتا ہے، دوسرے اس میں جاہ طلبی بھی ہے، اس لئے کہ عزلت و گوشہ نشینی اور زہد و انقطاع کی زندگی عوام کے لئے زیادہ باعثِ کشش اور جاذبِ توجہ ہے، غرض یہ کہ شیطان ان کو افادۂ عوام اور عمومی دعوت کے دائرہ سے ہٹا نہیں سکا، انھوں نے اپنی ساری دماغی صلاحیتیں اور خدا کی بخشی ہوئی طاقتیں اصلاح پر لگا دیں، اور نصف صدی سے زیادہ پورے انہماک و قوت کے ساتھ اصلاح و افادہ کے کام میں مشغول رہے۔

وفات

۵۹۷ھ میں شبِ جمعہ کو اس داعی الی اللہ نے انتقال کیا، بغداد میں کہرام مچ گیا، بازار بند ہو گئے، جامع منصور میں نماز جنازہ ہوئی، یہ وسیع مسجد کثرتِ ازدحام سے تنگ اور ناکافی ثابت ہوئی، یہ بغداد کی تاریخ میں ایک یادگار دن تھا، ہر طرف غم کے آثار اور گریہ کی آوازیں بلند تھیں، لوگوں کو ان سے ایسا تعلق تھا کہ رمضان بھر لوگوں نے راتیں ان کی قبر کے پاس گزاریں اور قرآن مجید کے ختم کئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوّبی

صلیبی حملے، اور عالم اسلام کے لئے نیا خطرہ

ایک طرف مرکزِ اسلام میں پوری قوت سے تصنیفی و تعلیمی کام ہو رہا تھا، اور بعض عظیم شخصیتیں اصلاح و تربیت میں مشغول تھیں، دوسری طرف پورے عالم اسلام پر خطرہ کے بادل منڈلا رہے تھے، اور مسلمانوں کی ہستی اور نفس اسلام کا وجود زد میں تھا، مسیحی یورپ صدیوں سے اسلام سے خار کھائے بیٹھا تھا، مسلمان اس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے، اور اس کے تمام مقدس مقامات اور خود مولد مسیح ان کے قبضہ اور تولیت میں تھا، یورپ کے اشتعال اور جذبۂ انتقام کے لئے یہ صورت حال بالکل کافی تھی، لیکن طاقت ور اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمسایہ مسیحی سلطنت پر ان کی مسلسل پیش قدمیوں کے سبب سے اس کو یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ شام و فلسطین یا کسی اسلامی ملک کی طرف نظر اٹھائے، سلجوقی سلطنت کے زوال اور اسلامی سلطنت کی شمالی سرحدوں کی کمزوری کی وجہ سے یورپ میں قسمت آزمائی کا خیال پیدا ہوا، اسی عرصہ میں اس کو راہب پطرس کی صورت میں ایک ایسا خطیب اور مذہبی واعظ مل گیا، جس نے ساری مسیحی دنیا میں اپنی آتش نوائیوں سے آگ لگا دی، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک مذہبی جنون کی ایک لہر پیدا کر دی، اس کے علاوہ وسیع و زرخیز اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کے اور بھی متعدد سیاسی و معاشی اسباب و محرکات جمع ہو گئے جنھوں نے صلیبی حملوں میں دینی و دنیاوی کشش اور ترغیب پیدا کر دی۔[1]

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" ج ۶، مضمون (CRUSADES)

بہر حال سنہ ۴۹۰ھ میں صلیبیوں کے پہلے لشکر نے شام کی طرف کوچ کیا، دو سال کے عرصہ میں صلیبیوں کے لشکر نے الرہا (ایڈیسا) اور ولایتِ انطاکیہ کے بڑے شہروں، بہت سے قلعوں اور حلب پر قبضہ کر لیا، ۴۹۲ھ مطابق ۱۰۹۹ء میں صلیبی مبارزوں نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کر لیا، اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ یعنی ساحل شام پر انطرطوس، عکہ، طرابلس الشرق اور صیدا صلیبیوں کے تصرف میں آ گیا، مشہور انگریز مورخ سٹینلے لین پول کے بقول صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکے، تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے، صلیبیوں نے داخلۂ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مورّخ ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

"بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے، گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا، یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (معبد) میں زندہ جلا دیئے گئے۔"

"دوسرے دن اس سے بڑے پیمانہ پر ان لرزہ خیز مظالم کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا، ٹینکرڈ نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت کی تھی، وہ چیختا چلاتا رہا، اور ان سب کو باہر لا کر قتل کر دیا گیا، پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہوا، مردوں عورتوں اور بچوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیئے گئے، ان کی لاشوں کے ٹکڑوں اور کٹے ہوئے اعضا کے ڈھیر لگے تھے، بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہنچا شہر کی خون آلودہ سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلوایا گیا۔"[1]

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری اور

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۶ ص ۶۲۷ مضمون "CRUSADES"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی نوخیز طاقت کی خبر دیتی تھی، اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی، شام و فلسطین میں مستقل چار عیسائی ریاستیں (قدس، انطاکیہ، طرابلس، اور یافا کی) قائم ہو چکی تھیں، جو مرکز اسلام (حجاز) کی آزادی اور حرمت کے لئے مستقل خطرہ تھیں اور مسیحیوں کے حوصلے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ رینجی نالڈ وائی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا[1]، اور روضۂ اطہر سے متعلق گستاخانہ اور اہانت آمیز کلمات اور ارادوں کا اظہار کیا، حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھڑی نہیں آئی، یہ دوسرا موقع تھا کہ اسلام کا وجود خطرہ میں تھا، اور عالم اسلام کو ایک فیصلہ کن جنگ کرنی ضروری تھی۔

چھٹی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ عالم اسلام میں بڑے انتشار و بدنظمی کا تھا، ملک شاہ سلجوقی کے جانشین باہم دست و گریباں تھے، خلفاء بنی عباس مدتوں پہلے ترکوں کو اپنی طاقت منتقل کر چکے تھے، عالم اسلام میں کوئی طاقتور سلطان اور کوئی ایسا قائد نہ تھا، جو تنظیمی صلاحیتیں رکھتا ہو اور جو عالم اسلام کی بچی کھچی طاقت کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے شمال و مغرب سے بڑھتے ہوئے خطرہ کا مقابلہ کر سکے، اسٹینلے لین پول نے صحیح لکھا ہے کہ "یہ زمانہ التباس و تذبذب کا تھا کہ اتنی وسیع اور عظیم الشوکت (سلجوقی) سلطنت کو موت کے کرب میں ہاتھ پاؤں مارتے دیکھ کر ہر شخص پر تحیر کا عالم طاری تھا، یہ بیچ کا زمانہ اس وقت تک بدنظمی کا تھا جب تک کہ نئی طاقتیں پورے طور پر یکجہت ہو کر ایک ہی سمت میں رجوع نہ ہو جائیں، مختصر یہ کہ یہی وہ ٹھیک وقت تھا جب کہ یورپ والے فوج کشی کر کے اپنی کامیابی کو ممکن کر لیں"[2]۔

اتابک عماد الدین زنگی

لیکن عین اس کشمکش اور بڑھتی ہوئی مایوسی کے عالم میں عالم اسلام کے افق پر ایک نیا ستارہ طلوع

[1] سلطان صلاح الدین ایوبی از (اسٹینلے لین پول) ص۱۸۸ [2] ایضاً ص۲۱

ہوا، عالم اسلام کو حسب معمول عین ضرورت کے موقع پر ایک نیا قائد اور ایک تازہ دم مجاہد مل گیا، اور جس گوشہ سے امید نہ تھی، وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری، جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔

لین پول لکھتا ہے:-

"مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ وہ جہاد کا اعلان کریں، اور ایک ایسا سردار پیدا کریں جس کی دلیری اور ہمت اور جنگی قابلیت کا سکہ سب ماننے لگیں، ترکمانی سردار اور ان کے ماتحت والیان ملک ایک ایسی جوانمرد اور جنگجو دینداروں کی جماعت پیدا کریں جن کے سامنے صلیبیوں کو اپنے مظالم اور زیادتیوں کا جواب دینا پڑے اور اب یہ سردار عماد الدین زنگی کی ذات میں نمودار ہوا"[1]۔

عماد الدین سلجوقیوں کا پروردۂ نعمت تھا، وہ سلطان محمود سلجوقی کے شہزادوں کا اتالیق (اتابک) اور سلطان کی طرف سے موصل کا حاکم تھا، زنگی نے عراق و شام میں اپنی طاقت مستحکم و منظم کر کے الرہا (ایڈیسا) پر حملہ کیا جو عیسائیوں کی ریاست میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مقام تھا، اور اس کو بڑی فوجی اہمیت حاصل تھی، ۶ جمادی الاخریٰ ۵۳۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۱۴۴ء کو اس نے الرہا پر قبضہ کر لیا، عرب مورخین کے الفاظ میں یہ فتح الفتوح تھی، یہ شہر لاطینی سلطنت کا بڑا سہارا تھا، اس طرح فرات کی وادی صلیبیوں کے خطرہ سے محفوظ ہو گئی، اس فتح کے کچھ عرصہ بعد ۵۴۱ھ مطابق ۱۱۴۶ء میں وہ ایک غلام کے ہاتھ سے شہید ہو گیا، شہادت سے پہلے اس نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کی شاندار ابتدا کر دی تھی، جس کو اس کے نامور فرزند الملک العادل نور الدین زنگی نے بہت آگے تک پہنچا دیا۔

الملک العادل نور الدین زنگی

نور الدین محمود اب سلطان شام تھا، اور تمام مسلمانوں کی طرف سے صلیبیوں کے اخراج اور بیت المقدس

[1] سلطان صلاح الدین ص۲۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے بازیافت کے لئے اپنے کو مامور من اللہ سمجھتا تھا، اور اس خدمت عظیم کو اپنی سب سے بڑی عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ جانتا تھا، اس نے اپنے حملوں سے تمام مسیحی ریاستوں پر دھاک بٹھا دی تھی ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ء میں وہ قلعہ حارم پر قابض ہوا، جو ایک مضبوط شمالی سرحدی قلعہ تھا، بادشاہ انطاکیہ نواب طرابلس مع دیگر مشہور ومعروف نائٹوں کے گرفتار ہو گئے، اس معرکہ میں دس ہزار عیسائی قتل ہوئے اور بے شمار قید، اس قبضہ کے بعد ہی قلعہ بانیاس فتح کیا،[1] ادھر اس نے مصر فتح کر کے عیسائیوں کو دو طرف سے محصور کر لیا۔ الین پول لکھتا ہے:۔

"نورالدین سلطان شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رودنیل پر قابض ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آگئی تھی، دونوں طرف سے وہ دب رہی تھی اور دونوں طرف جو چیز اسے بھینچ رہی تھی، وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے، دمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک جہازی بیڑے پر بھی ہو گیا، اور انھوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کر دیا۔"[2]

نورالدین نے تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کر دیا، لیکن اس کی سب سے بڑی آرزو اور سب سے مقدس خدمت بیت المقدس کی بازیابی تھی، لیکن یہ سعادت اس کے سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں تھی، جو خود نورالدین کے حسنات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۴ء کو چھپن ۵۶ برس کی عمر میں بعارضہ خناق اس کا انتقال ہوا، بقول انگریز مورخ "سلطان نورالدین بادشاہ شام کے مرنے کی خبر مسلمانوں میں اس طرح پہنچی جیسے آسمان سے بجلی گرے۔"[3]

نورالدین کے محامد واوصاف

مسلمان مورخ سلطان نورالدین کے عدل، دیانت وتقوی، حسن انتظام، شرافت نفس، محامد اخلاق

[1] الکامل (ابن اثیر) جلد ۱۱ ص ۱۲۴ [2] سلطان صلاح الدین ص ۸۹ [3] ایضاً ص ۱۱۵

اور جذبہ جہاد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، اور وہ اپنے نام کی طرح ان سب کا "ممدوح" و "محمود" ہے۔

ابن جوزی جو سلطان کے معاصر ہیں اپنی مشہور تاریخ المنتظم میں لکھتے ہیں:۔

جاهد الثغور وانتزع من ايدى الكفار نيفاً وخمسين مدينة، وكانت سيرته اصلح من كثير من الولاة والطرق في ايامه آمنة والمحامد له كثيرة وكان يتدين بطاعة الخلافة وترك المكوس قبل موته وكان يميل الى التواضع ومحبة العلماء واهل الدين۔[1]

نورالدین نے سرحدوں پر جہاد کیا اور کفار کے قبضہ سے کچھ اوپر پچاس شہر آزاد کئے ان کی زندگی اکثر سلاطین وحکام سے بہتر تھی راستے محفوظ تھے، ان کی تعریف کی باتیں بہت ہیں، وہ خلافت بغداد کی ماتحتی واطاعت کا اپنے کو پابند سمجھتے تھے انتقال سے پہلے ناجائز محاصل اور ٹیکس معاف کر دیئے طبیعت میں سادگی اور تواضع تھی، اور علماء و اہل دین سے محبت کرتے تھے۔

ابن خلکان جو اپنی مورخانہ احتیاط، جچے تلے الفاظ اور نپی تلی تعریف میں مشہور ہیں، لکھتے ہیں:۔

وكان ملكاً عادلاً زاهداً عابداً ورعاً متمسكاً بالشريعة مائلاً الى الخير مجاهداً في سبيل الله تعالى كثير الصدقات بنى المدارس بجميع بلاد الشام الكبار وله من المناقب والمآثر والمفاخر ما يستغرق الوصف۔[2]

وہ ایک منصف، زاہد عابد، متقی، متبع شریعت سلطان تھے، اہل خیر کی طرف بڑا میلان رکھتے تھے، اور جہاد فی سبیل اللہ کا خاص اہتمام تھا کثرت سے صدقات وخیرات کرتے، شام کے تمام بڑے بڑے شہروں میں مدارس تعمیر کئے، ان کے مناقب یادگاروں اور کارناموں کا احاطہ مشکل ہے۔

تاریخ الکامل کے نامور مصنف ابن الاثیر جزری نے ان کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

[1] المنتظم ج ۱۰ ص ۲۴۸-۲۴۹ [2] ابن خلکان "محمود نورالدین زنگی" ج ۴ ص ۲۷۲

www.KitaboSunnat.com

وقد طالعت سیر الملوک المتقدمین فلم ارفیہا بعد الخلفاء الراشدین وعمر بن عبد العزیز احسن من سیرتہ ولا اکثر تحریاً منہ للعدل۔[1]

میں نے گذشتہ سلاطین کی زندگی اور حالات کا مطالعہ کیا ہے خلفائے راشدین اور عمر بن عبد العزیز رحمہ کے بعد نورالدین سے بہتر سیرت اور ان سے زیادہ عادل سلطان میری نظر سے نہیں گذرا۔

سلطان نورالدین کی وفات کے وقت ابن الاثیر کی عمر ۱۴ سال کی تھی، اس لئے ان کی روایت اور شہادت خاص وقعت رکھتی ہے، وہ سلطان مرحوم کی سیرت و اخلاق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"وہ صرف اپنی اس جائداد کی آمدنی سے کھاتے پہنتے تھے، جو انھوں نے مال غنیمت میں اپنے حصہ کو فروخت کرکے خریدی تھی، ان کی اہلیہ نے ایک مرتبہ تنگی کی شکایت کی تو انھوں نے اپنی تین دوکانیں خرچ کے لئے دے دیں، جو حمص میں ان کی ملکیت تھیں، اور جن کی سالانہ آمدنی بیس دینار کے قریب تھی، جب بیوی نے اس کو کم سمجھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ تم میرے پاس دیکھتی ہو وہ سب مسلمانوں کا ہے، میں محض خزانچی ہوں، میں.... اس امانت میں خیانت کرکے تمہاری خاطر جہنم میں جانا گوارا نہیں کرسکتا۔

وہ رات کو بڑی عبادت کرتے، ان کے اوراد و اذکار مقرر تھے، حنفی فقہ کے عالم تھے، لیکن تعصب سے بری تھے، حدیث کا درس لیا، اور ثواب کی نیت سے اس کی روایت کی، اور اجازت دی۔

عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ اپنی وسیع سلطنت میں انھوں نے کوئی محصول اور چنگی باقی نہیں رکھی، مصر و شام، جزیرہ، موصل سب جگہ اس کو موقوف کردیا، شریعت کا بڑا ادب کرتے تھے، اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے، ایک شخص نے ان کو عدالت میں طلب کیا، وہ حاضر ہوگئے، اور قاضی صاحب کو کہلا بھیجا کہ میں عدالت میں حاضر ہو رہا ہوں، میرے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے، مقدمہ میں ان کو کامیابی

[1] الکامل ج ۹ ص ۱۶۳

ہوئی تو انھوں نے اپنا حق معاف کردیا، اور کہا کہ میرا پہلے سے یہی ارادہ تھا لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ شاید عدالت میں حاضر نہ ہونے کا سبب میرا تکبر ہو اس لئے میں حاضر ہوگیا، اور میں اپنا حق معاف کرتا ہوں، انھوں نے دارالعدل کی تعمیر کی تھی، جہاں وہ قاضی کے ساتھ بیٹھ کر مظلوم کا انصاف کرتے، خواہ وہ یہودی ہوتا، اور ظالم کو سزا دیتے، خواہ وہ ان کا فرزند ہوتا یا بڑے سے بڑا افسر اور حاکم۔

شجاعت ان پر ختم تھی، وہ جنگ میں دو کمانیں اور دو ترکش ساتھ رکھتے تھے، ایک صاحب نے ان سے کہا کہ آپ کو اللہ کا واسطہ آپ اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر اسلام کو مصیبت میں مبتلا نہ کریں، انھوں نے جواب دیا کہ محمود کیا چیز ہے کہ اس کے متعلق یہ بات کہی جائے مجھ سے پہلے ملک اور اسلام کی کس نے حفاظت کی؟ وہ معبود برحق ہے لا الٰہ الا ھو۔

علماء و اہل دین کی تعظیم کرتے تھے، ان کے لئے کھڑے ہوجاتے، اپنے پاس بٹھاتے، بے تکلفی سے باتیں کرتے، کسی بات سے انکار نہ کرتے، اپنے قلم سے ان کو خط لکھتے، لیکن اس تواضع و خاکساری کے باوجود بڑے رعب و داب کے آدمی تھے، لوگوں پر اس کا اثر پڑتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ان کے مناقب و محامد کی یہ کتاب متحمل نہیں، اس کے لئے دفتر درکار ہے۔"[1]

شوق جہاد اور ایمان و یقین

نورالدین کی تمام تر توجہ اور دلچسپی جہاد اور عیسائیوں کے مقابلہ سے تھی، اس بارہ میں اس کا عزم اعتماد و توکل اور ایمان و یقین بہت بڑھا ہوا تھا۔

۵۵۸ھ میں نورالدین کو حصن الاکراد کے معرکہ میں (جو بقیعہ کے معرکہ کے نام سے مشہور ہے) عیسائیوں کے اچانک حملہ کردینے کی وجہ سے شکست ہوئی،[2] نورالدین حمص کے قریب دشمن سے چند میل کے فاصلہ پر مقیم تھے،

[1] الکامل ج ۱۱ ص ۱۶۳-۱۶۴ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الکامل ج ۱۱ ص ۱۱۹ ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض خیر خواہوں نے کہا کہ بادشاہ کا، فتحیابِ دشمن کے اتنے قریب قیام کرنا مناسب نہیں نورالدین نے ان کو خاموش کیا اور کہا کہ اگر ہزار سوار بھی میرے پاس ہوں تو مجھے دشمن کی پروا نہیں خدا کی قسم میں جب تک اپنا اور اسلام کا انتقام نہ لے لوں گا کسی چھت کے نیچے نہ آؤں گا، نورالدین نے بڑی دریا دلی سے اہلِ لشکر کو عطایا اور رقوم کی تقسیم کی بعض لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ فقہاء، فقراء اور صوفیہ و قراء کے لئے جو وظائف اور رقوم خزانہ شاہی سے مقرر ہیں، ان سے اس موقع پر کام لیا جائے، نورالدین نے غضبناک ہو کر جواب دیا کہ مجھے تو نصرتِ الٰہی کی امید انہی فقراء و ضعفاء کی دعاء اور رضا سے ہے، حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ کی طرف سے رزق اور مدد کمزور بندوں کی بدولت ہوتی ہے" میں کس طرح ایسے لوگوں کی مدد بند کردوں جو ایسے وقت میں میری طرف سے جنگ کرتے ہیں، جب میں اپنے بستر پر سوتا ہوتا ہوں، اور ان کے تیر خطا نہیں جاتے، درانحالیکہ جن کا تم تذکرہ کرتے ہو، وہ صرف اس وقت جنگ کرتے ہیں، جب مجھے دیکھتے ہیں، اور ان کے تیر کبھی خطا کر جاتے ہیں کبھی نشانہ پر لگتے ہیں، ان غریبوں کا تو بیت المال میں حق بھی ہے، میں ان کا حق لے کر دوسروں کو کیوں کر دے دوں[1]؟"

نورالدین نے عیسائیوں سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی پوری تیاری کی لشکر کو انعامات و تقسیمات سے نہال کر دیا، سرحدی مقامات اور اسلامی ریاستوں کے امراء و حکام کو پراثر خطوط لکھے، اور ان کو جہاد فی سبیل اللہ اور شرکت و رفاقت کی ترغیب دی، ان مقامات کے زہاد و عبّاد اور صلحاء و فقراء کو بھی خطوط لکھے، جن میں فرنگیوں کی زیادتیوں اور مظالم کا تذکرہ کیا، اور ان سے دعا کی درخواست کی، اور اس کی خواہش کی کہ وہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کریں، چنانچہ ان حضرات نے رو رو کر لوگوں کو یہ خطوط پڑھ کر سنائے، اور سلطان کے لئے دعا کی، لوگوں میں جوشِ جہاد کی ایک لہر پیدا ہو گئی، والیانِ ملک اپنے اپنے لشکر لے کر آئے، ادھر عیسائیوں نے بھی اپنی پوری طاقت اور ہر طرف کی افواج مقابلہ کے لئے جمع کر دیں، لیکن

---

[1] الکامل ج ۱۱ ص ۱۱۹

سلطان نے اپنی نذر پوری کی، اور عیسائیوں کی متحدہ طاقت پر فتح حاصل کر کے حارم پر قبضہ کر لیا[1]۔

نورالدین کے ایمان و یقین کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قلعہ بانیاس کے محاصرہ میں اس کے بھائی نصرۃ الدین امیر امیران کی ایک آنکھ جاتی رہی، نورالدین نے دیکھا تو بھائی سے کہا کہ اگر تم کو وہ اجر و ثواب نظر آ جائے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رکھا ہے، تو تم کو تمنا ہو کہ دوسری آنکھ بھی راہ خدا میں کام آ جائے[2]۔

سلطان صلاح الدین ایوبی[3]

صلاح الدین ایوبی کی ذات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلام کی صداقت و ابدیت کی روشن دلیل ہے۔

ایک متوسط درجہ کے کرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے ان کا نشو و نما[4] ہوا، مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ میں میدان میں آنے سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کرد نوجوان

---

[1] الکامل ج ۱۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳ [2] ایضاً ص ۱۲۳ [3] سلطان صلاح الدین ایوبی اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کے والد کا نام ایوب تھا، اسی نسبت سے سارا خاندان ایوبی کہلاتا ہے، یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ان کا کوئی تعلق ابوایوب انصاری سے ہے، سلطان اور ان کا پورا خاندان نسلاً کرد ہے، یہ قوم اب بھی عراق، شام، ترکی اور ایران میں پائی جاتی ہے۔

[4] ان کے والدین اور اہل خاندان مشرقی آذربائجان کے گاؤں "دوین" کے رہنے والے تھے، ان کا تعلق قبیلہ "ہذانیہ" کی ایک شاخ "روادیہ" سے تھا جو کردوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دادا شادی اپنے دونوں لڑکوں ایوب نجم الدین اور شیرکوہ اسدالدین کو لے کر بغداد منتقل ہو گئے تھے، اس کے بعد تکریت میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں شادی کا انتقال ہوا، کچھ دن کے بعد یہ دونوں لڑکے مجاہد الدین بہروز کوتوال شہر کے عملہ میں داخل ہو گئے، جو سلطان مسعود بن غیاث الدین محمد بن ملک شاہ سلجوقی کی طرف سے مامور کیا گیا تھا، نجم الدین ایوب اس کے بعد عماد الدین زنگی سے متعلق ہو گئے، اور قلعہ "بعلبک" وغیرہ کے محافظ بنا دیئے گئے، (صلاح الدین ایوبی از محمد فرید ابو جدید ص ۶۱، ۶۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المقدس کا فاتح اور عالمِ اسلام کا محافظ ثابت ہوگا، اس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے جو بڑے بڑے عالی نسب شرفاء اور صلحاء کے لئے قابل رشک ہے، اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا، جس سے روح مبارک تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ "بجائے اس کے کہ صلاح الدین سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی ہونے والا ہے، وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پُرامن نیکی کی بنا رہا، جو شریف طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے"۔[1]

لیکن جب اللہ تعالےٰ کو ان سے کام لینا منظور ہوا تو اس کا غیبی سامان کیا گیا، ان کو ان کے ولی نعمت نور الدین نے سخت اصرار و حکم سے مصر بھیجا، قاضی بہاء الدین ابن شدّاد سلطان کے معتمد خاص لکھتے ہیں کہ "سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا، میرا مصر آنا، بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا، میرا معاملہ بالکل وہی ہے جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے" وَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ"۔[2]

زندگی میں تبدیلی

مصر پہونچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہوگیا، اور مصر کی زمامِ مملکت ان کے ہاتھ میں آگئی تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی، یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالےٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے، اور اس کام کے ساتھ عیش و راحت کا کوئی جوڑ نہیں۔

قاضی بہاء الدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ "حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آجانے کے بعد دنیا ان کی نظر میں ہیچ ہوگئی، شکر گزاری کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوا، شراب سے توبہ کی، عیش و تفریحات سے منھ موڑ لیا، اور ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی"۔[3]

[1] سلطان صلاح الدین ص۶۳ [2] النوادر السلطانیہ ص۳۱ [3] ایضاً والمحاسن الیوسفیہ ص۳۲، ۳۳

لین پول بھی یہی لکھتا ہے:۔

"اب جہاں تک صلاح الدین کا اپنی ذات سے تعلق تھا، اس نے اپنی زندگی کے قواعد سخت کر دیئے متقی اور پرہیزگار تو وہ ہمیشہ کا تھا، مگر اب ان میں اور سختی اختیار کی، دنیا کے عیش و آرام اور لذتوں کا خیال بالکل ترک کر دیا، اور اپنے اعمال پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں، اور اپنے ساتھیوں کے حق میں خود ایک مثال بنا، اس نے اپنی تمام بلیغ کوششیں اس بات میں صرف کیں کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کرے جس میں کہ کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری طاقت ہو، چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا "جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے اللہ کو دینا منظور ہے"۔

اس وقت سے صلاح الدین کی زندگی کا مقصد آخر عمر تک اسلام کی نصرت اور حمایت رہا، اور اس نے عہد کر لیا کہ کفار پر جہاد کرے گا"۔[1]

جہاد کا عشق

سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اس کی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش، اور اس کی روح کی غذا تھی۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ:۔

"جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا، اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے، اور اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کی تلاش رہتی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انھوں نے اپنی اولاد اور اہلِ خاندان اور وطن و

[1] سلطان صلاح الدین ص۸۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسکن اور تمام ملک کو خیرباد کہا اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک خیمہ کی زندگی پر قناعت کی جس کو ہوائیں ہلا سکتی تھیں، کسی شخص کو اگر ان کا قُرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا (اور اس طرح ان کی نظر میں وقعت حاصل کر لیتا) قسم کھائی جا سکتی ہے کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انھوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔"[۱]

سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور دردمندی کی تصویر ابن شداد نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

"میدانِ جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اٹھایا ہے، وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے، اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے "یا للاسلام" اسلام کی مدد کرو! آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے۔"[۲]

عکا کے معرکہ میں ان کی کیفیت یہ تھی۔

"سارے دن سلطان نے ایک دانہ منھ میں نہیں رکھا صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔"[۳]

شاہی طبیب نے مجھے بتلایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے، ان کی طبیعت میدانِ جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔"[۴]

حطین کی فیصلہ کن جنگ

آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا، جو تاریخ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، یہ حطین کی جنگ تھی، جو سنیچر کے دن ۲۴ ربیع الآخر ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء[۵] کو پیش آئی، اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

لین پول اس میدانِ جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:۔

۱۔ النوادر السلطانیہ ص۱۰۱ ۲۔ ایضاً ص۱۵۵ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ص۹ ۵۔ ۴ جولائی ۱۱۸۷ء۔

"مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے، گائی بادشاہ یروشلم اور اس کا بھائی جاٹیلون (حنین) کا ریجی نالڈ تیفین کا ہمفری طبقات داویہ اور سبیطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی شرفا گرفتار کر لئے گئے...... باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے، مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جو زندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے، ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنھیں خود اس نے گرفتار کیا تھا خیمے کی رسّی میں باندھے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں، اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے، جیسے پتھر پر پتھر پڑے ہوں، اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے، جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آئیں[۱]...... مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، مشہور رہا، ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے، اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے، وہ بھی میدان میں جا بجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔"[۲]

سلطان کی دینی حمیت

اس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہے گا جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اس کی قوتِ ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے، مناسب ہے کہ یہ واقعہ بھی ہم انگریز مورخ کی زبان سے سنیں۔

"سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا جب خیمہ نصب ہو گیا، تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں، بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ جاٹیلون (حنین) دونوں اندر لائے گئے، سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اُسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا

۱۔ سلطان صلاح الدین ص ۱۸۷، ۱۸۸ ۲۔ ایضاً ۱۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا، اور پانی کا کٹورا والی گرک ریجی نالڈ کو دیا، سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے، بادشاہ گائی نے دیا ہے، روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے، اگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا، صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا، اور ریجی نالڈ کے سامنے آیا، ریجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اس سے کہا سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو[2] مرتبہ کھائی تھی، ایک[1] مرتبہ تو اس وقت جب کہ تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا، دوسری[2] مرتبہ اس وقت جب کہ تو نے دھوکے اور دغا بازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا[1]، دیکھ میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں، اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا، ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، جو کچھ رمق باقی تھی اسے پہرے والوں نے آکر ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا، اور سمجھا کہ اب اس کی باری آئے گی، صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا، اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں، اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں، اب جو کچھ گذر گیا گذر گیا"۔[2]

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو طلب کیا، اور کہا کہ "ھا انا انتصر لمحمدٍ علیہ الصلوٰۃ والسلام" (لو میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں) ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اس کو اسلام کی دعوت دی، مگر اس نے قبول نہیں کی۔[3]

---

[1] قاضی ابن شداد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ان بیکس حجاج نے اس سے انسانیت و شرافت کی درخواست کی تو اس نے گستاخانہ کہا کہ "اپنے محمد سے کہو کہ تمہیں رہائی دیں" یہ فقرہ صلاح الدین کو پہونچا، اور اس نے منت مانی کہ اگر یہ بے ادب اس کے ہاتھ آئے گا تو اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کروں گا ص۱۲۷ [2] سلطان صلاح الدین ص۱۸۵ [3] النوادر السلطانیہ ص۶۴

فتح بیت المقدس

حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا جس کی سلطان کو بے حد آرزو تھی یعنی بیت المقدس کی فتح، قاضی ابن شداد نے لکھا ہے کہ۔

"سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی، اور اس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اس کے متحمل نہیں تھے"۔[1]

اسی سال ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء ۲۷ رجب کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے، اور پورے ۹۰ برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی تولیت میں آیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:۔

"یہ عظیم الشان فتح تھی، اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہلِ حرفہ اور اہلِ طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لئے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا، اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا ہر طرف دعا، تہلیل و تکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی، قبۂ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی، وہ اتار دی گئی، ایک عجیب منظر تھا، اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالے کی مدد کھلی آنکھوں نظر آرہی تھی"۔[2]

نور الدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اللہ تعالے بیت المقدس واپس دلائے گا، تو یہ منبر نصب کیا جائے گا، صلاح الدین نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔[3]

---

[1] ایضاً ص۲۱۳ [2] ایضاً ص۶۶ [3] تاریخ ابی الفداء اسماعیل ج ۳ ص۶۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی اخلاق کا مظاہرہ

صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مورّخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

"صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے، اور اس کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو، پیش نہ آیا، شہر کے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا کہ ہر شہر والے کو جو زرِ فدیہ ادا کر چکا ہے، باہر جانے دے۔"

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور بالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے کے تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرِ فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کیے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں، اور یہ سب باب العزرے سے نکلنے شروع ہوئے، اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر و خیرات تھی، جو صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔"

غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا، جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں، جب گودے اور تنکرڈ یروشلم کے کوچہ و بازار میں سے گذرے تھے تو وہاں مردے پڑے اور جان بلب زخمی لوٹتے تھے جب کہ

بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا، اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے، وہیں ان صلیبیوں نے انھیں اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا، اور جہاں ان کے اس قتلِ عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا جبکہ اس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں انھوں نے رنگا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں، وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، ان پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اس پاک و مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اس کو مذبح بنا رہے تھے اس وقت وہ اُن کلام کو بھول گئے تھے، اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم و کرم ہو رہا تھا۔

صفاتِ خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے، جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے، رحم جان بچا سکتا ہے۔

اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت اور شہامت میں یکتا، اور بے مثل شخص تھا۔"[1]

صلیبی سیلاب

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی آگ پھر بھڑک اٹھی، اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر اُبل پڑا، جس میں یورپ کے تقریباً تمام مشہور جنگ آزما، اور مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے، قیصر فریڈرک، رچرڈ شیر دل، شاہانِ انگلستان، فرانس، صقلیہ آسٹریا

[1] سلطان صلاح الدین ص ۲۰۲/۲۰۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برگنڈی، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ اپنی آہن پوش فوجوں کے ساتھ امنڈ آئے، ان سب کے مقابلہ میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا، اور اس کے اعزّہ اور چند حلیف جو پورے عالمِ اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے

صلح اور سلطان کے کام کی تکمیل

آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز و خوں آشام جنگوں کے بعد ۱۱۹۲ء میں رملہ پر دونوں حریفوں میں جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی، بیت المقدس، اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور ان کے قبضہ میں رہے، ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی، اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیرنگیں تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی، اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالےٰ نے اس کے سپرد کیا تھا، اس کے ہاتھوں تکمیل ہوا، عیسائی مورخ اس کی کامیابی اور جنگ صلیبی کے نامبارک سلسلہ کے اختتام کا ذکر اس طرح کرتا ہے:۔

"جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں، جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین بھی نہ تھی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی ہے، تو صور سے لے کر یافا تک ساحل پر بجز زمین کی ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، اس صلحنامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی، صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا، اس کا بڑا حصہ افرنجیوں کے پاس رہا، لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے، تو یہ نتیجہ نہایت حقیر تھا، پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لئے تھے، قیصر فریڈرک، شاہانِ انگلستان و فرانس وصقلیہ، آسٹریا، کا لیوپولڈ، برگنڈی کا ڈیوک، فلانڈر کا کاؤنٹ صدہا مشہور و معروف بیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ، یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دیگر عیسائی والیانِ ملک طبقہ داویہ اور طبقہ البیطار کے بڑے بڑے شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا

قبضہ اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب ہے، پھر سر سبز ہو جائے، لیکن انجام کیا ہوا؟ اسی دوران میں قیصر فریڈرک قضا کر گیا، شاہان انگلستان، فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے، اور ان کے بڑے بڑے شریف اور معزز ساتھی ارضِ ایلیا میں خاک کا پیوند ہوئے، لیکن یروشلم اس پر بھی سلطان صلاح الدین کا رہا، صرف ساحلِ عکہ کی مختصر سی ریاست پر اس کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔

تیسری جنگ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی، مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی، صلاح الدین کی سپاہ مہینوں کی سخت محنت و جانفشانی اور برسوں کی مخدوش اور خطرناک خدمت کے بعد تھک کر چور چور ہو چکی تھی، مگر کسی کی زبان پر حرف شکایت نہ تھا، کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور ایک نیک کام میں اپنی جانیں قربان کرنے سے کسی نے انکار نہ کیا، دریائے دجلہ کی دور دراز وادیوں میں ممکن ہے کہ سلطان کے تابع والیانِ ملک کے دل میں اس ہمیشہ کی طلبی کمک پر کچھ شکایت پیدا ہوئی ہو، لیکن بہرکیف اپنی اپنی فوجیں سلطان کی خدمت میں بڑی جان نثاری اور نیک خواہی کے ساتھ لائے، آخری جنگ جو ارسوف پر ہوئی، اس میں موصل کی فوجوں نے بڑی مردانگی اور جانبازی سے کام لیا، ان تمام لڑائیوں میں سلطان کو ہمیشہ مصر اور عراق کی فوجوں سے مدد ملنے کا بھروسہ رہا،.... اور یہی تقویت ملک شام کی شمالی اور مرکزی فوجوں سے رہی، کرد، ترکمان، عرب، مصری سب سلمان اور سلطان کے خادم تھے، اور طلبی پر خادموں کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے، باوجود اس کے کہ ان کی نسل و قوم جدا تھی، اور باوجود قومی چشمکوں اور قبائلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا تیر و شکر بنا رکھا تھا کہ تمام لشکر تنِ واحد نظر آتا تھا، سب ایک ہی لشکر کے رکن رہے، دو ایک مرتبہ اس میں شک نہیں کہ ان کو متفق اور متحد رکھنے میں مشکلات پیش آئیں، اور بعض نازک مواقع ایسے بھی آئے کہ ان کی طبیعتوں میں فرق پیدا ہوتا معلوم ہوا، باوجود یافا پر فوج کے تمرد کے یہ تمام مختلف النسل قومیں ۱۱۹۲ء کے موسم خریف تک سلطان کے حکم کے تابع رہیں، اور جس طرح ۱۱۸۷ء میں پہلی مرتبہ خدا کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راہ میں کام کرنے کو انھیں طلب کیا تھا، اسی طرح اخیر تک راہ خدا میں وہ کام کرتی رہیں، اس تمام زمانہ میں نہ تو سلطان کا کوئی صوبہ اس سے منحرف ہوا اور نہ کسی ماتحت سردار یا باج گزار ریاست نے اس سے بغاوت کی، گو جو توقعات ان کی خیرخواہی اور جفاکشی سے رکھی گئی تھیں وہ کافی طور پر ایسی تھیں کہ مضبوط سے مضبوط اعتقاد اور قیادت کی طاقت کو بھی آزمائش میں لاکر ہرا دیتیں، صرف عراق میں سلطان کے ایک عزیز کی سرکشی کی مثال جس کی اصلاح فوراً معافی دے کر کر دی گئی، ایسی ہے جس کا استثنا اس اثر کو اور قوت کے ساتھ ثابت کرتا ہے، جو سلطان اپنی رعایا پر رکھتا تھا جب جنگ پنج سالہ کی یہ آزمائشیں اور تکلیفیں ختم ہو لیں، تب بھی سلطان کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبہ تک بذاتِ واحد حکمراں رہا، اور ان حدود سے بھی دور کردستان کا بادشاہ ارمینہ کا کاتلیین (حاکم وقت) قونیہ کا سلطان اور قسطنطنیہ کا قیصر اس بات کا شوق رکھتا ہے کہ صلاح الدین کو اپنا دوست اور مدد و معاون سمجھیں، لیکن صلاح الدین ان دوستوں اور اتحادیوں میں سے کسی کا زیر بار احسان نہ ہوا، اس کی مدد کو نہ آئے مبارکباد دینے البتہ حاضر ہوئے، یہ کل کشمکش صرف صلاح الدین نے کی تھی، بجز سلطان کے بھائی العادل کے جو آخری زمانہ میں بین طور پر سب کے سامنے آیا، ممکن نہیں کہ کوئی شخص کسی ایک سپہ سالار یا مشیر کو بتا سکے جس کی نسبت کہہ سکیں کہ وہ سلطان کا مشیر یا اصلاح کار ہو کر اس پر حاوی ہو گیا تھا، ایک مجلس حرب البتہ اس کے یہاں تھی، جو معاملاتِ جنگ میں مشورہ دیتی تھی، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ سلطان کی صحیح رائے پر اُس کی غلط رائے غالب آ گئی، جیسا کہ صور اور عکہ کے سامنے ہوا تھا، لیکن اس مجلس میں بھی اس کے کسی ایک رکن کی طرف اشارہ نہیں کر سکتے کہ اس کی رائے نے سلطان پر کسی دوسرے کی رائے سے زیادہ اثر کیا ہو، بھائی، بیٹے، بھتیجے، پُرانے رفیق، نئے ماتحت عامل، اور ہوشیار قاضی، محتاط اور وفا شعار معتمد وزیر، متعصب واعظ، اور ملا سبھی اس میں متفق الکلام تھے، کہ جہاد کیا جائے، اور سب اس میں شریک بھی ہوئے، اور سب نے آقا کی بڑی تندہی اور خیرخواہی سے اپنی اپنی لیاقت اور قوت کے مطابق مدد کی، لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جو اس بات کو بھولا ہو کہ آقا کون ہے؟ اس تشویش، فکر اور محنت و

جانفشانی کے نازک وقت میں صرف ایک دل اور ارادہ تھا، جو سب پر حاوی تھا، اور یہ دل اور ارادہ سلطان صلاح الدین کا تھا۔[1]

وفات

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کر کے اور عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا، اس وقت ان کی عمر ستاون سال کی تھی[2]، قاضی بہاء الدین بن شداد سلطان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۲۷ صفر کی شب کو جو سلطان کی علالت کا بارہواں دن تھا، مرض میں شدت ہو گئی، اور قوت گھٹ گئی شیخ ابو جعفر امام الکلاسہ کو جو ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے، زحمت دی گئی کہ رات کو قلعہ میں رہیں کہ اگر رات کو وہ ساعت مقررہ آ گئی، جو سب کو پیش آنے والی ہے تو وہ اس وقت سلطان کے پاس ہوں اور ان کو تلقین کر سکیں، اور اللہ کا نام لیں، رات کو سلطان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لئے پابرکاب ہیں، شیخ ابو جعفر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تلاوت و ذکر میں مشغول تھے، تین دن پہلے سے ان پر ایک ذہول اور غفلت طاری تھی، کسی کسی وقت ان کو ہوش آتا تھا، جب شیخ ابو جعفر نے تلاوت کرتے ہوئے "ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ" پڑھی تو سلطان کو ہوش آ گیا، ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی، اور چہرہ کھل گیا، اور کہا صحیح ہے، اور یہ کہہ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کی، یہ چہار شنبہ کا دن صفر کی ۲۷ تاریخ اور فجر کا وقت تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کی وفات کے بعد سے ایسا سخت دن مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں آیا، قلعہ، شہر اور تمام دنیا پر ایک وحشت سی برستی تھی، اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیسا سناٹا اور کیسی اداسی تھی، میں پہلے جب سنتا تھا کہ لوگ دوسروں پر قربان ہو جانے اور ان کا فدیہ بن جانے

[1] سلطان صلاح الدین صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳ [2] سلطان کی ولادت ۵۳۲ھ کی ہے۔ (ابو الفداء ج ۳ صفحہ ۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تمنا کرتے ہیں تو سمجھتا تھا کہ یہ محض ایک مجاز اور تکلف کی باتیں ہیں، لیکن اس دن معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے، خود میں اور بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اگر ان کے امکان میں ہوتا تو وہ سلطان پر اپنی جان قربان کر سکیں، اور اس کی طرف سے فدیہ ہو جائیں تو وہ اس کے لئے تیار تھے"۔[1]

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ایک دینار اور ۴۷ درہم چھوڑے تھے، کوئی ملک، مکان، جائداد، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھانس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و حلال ذریعہ سے کیا۔

درویش سیرت سلطان

قاضی ابن شداد سلطان کی سیرت، اخلاق و عادات، اور خصوصیات میں لکھتے ہیں:۔

"سلطان نہایت صحیح العقیدہ، راسخ الاعتقاد مسلمان تھے، عقائد میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہم مسلک و ہم اعتقاد، نماز و واجب کے بڑے پابند، ایک موقع پر فرمایا کہ سالہا سال ہو گئے، میں نے ایک نماز بھی بے جماعت نہیں پڑھی، حالتِ مرض میں بھی امام کو بلا لیتے، اور بتکلف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے، سنن رواتب پر مداومت تھی، رات کو حتی الامکان نوافل پڑھتے، اگر رات کے نوافل رہ جاتے تو (شافعیہ کے مسلک کے مطابق[2]) نماز فجر سے پہلے ادا کرتے، ان کو آخری بیماری میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا، صرف تین دن جن میں ان پر بیہوشی طاری رہی، نماز فوت ہوئی، زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت ہی نہیں آئی، اس لئے کہ انھوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا جس پر زکوٰۃ فرض ہو، ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی، صرف ۴۷ درہم ناصری اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائداد، ملکیت نہیں چھوڑی۔

[1] النوادر السلطانیہ ص ۵ - ۲۴۹ [2] سلطان شافعی المذہب تھے۔

رمضان میں روزے کے سخت پابند تھے، کچھ روزے ان کے ذمہ باقی تھے، قاضی فاضل کی یادداشت میں تحریر تھے، وفات سے پہلے پہلے بڑے اہتمام سے وہ سب روزے قضا کئے، معالج نے ہر چند منع کیا، لیکن فرمایا کہ کل کا حال مجھے معلوم نہیں، چنانچہ ان کی قضا کے بعد ہی خود قضا کر گئے۔

حج کی بڑی آرزو تھی، لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا، وفات کے سال اس کا شوق بہت غالب تھا، لیکن نوبت نہیں آنے پائی۔

قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا، کبھی کبھی اپنے برج میں پہرہ داروں سے دو دو تین تین، چار چار پارے سن لیتے، بڑے خاشع، خاضع، رقیق القلب تھے، قرآن مجید سن کر اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، حدیث سننے کے بڑے شائق تھے، اور اس کا بڑا احترام کرتے تھے، حدیث کی قرأت کے وقت لوگوں کو احتراماً بیٹھ جانے کا حکم دیتے، اگر کوئی عالی سلسلہ حدیث کا شیخ ہوتا، تو خود اس کی مجلس میں جا کر حدیث سنتے، خود بھی حدیث کے قرأت کا شوق تھا، اگر کسی حدیث میں کوئی عبرت کی بات ہوتی تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں، عین میدانِ جنگ میں بعض مرتبہ دو صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر حدیث کی سماعت کی کہ یہ وقت خاص فضیلت کا ہے، دینی شعائر کی بڑی تعظیم کرتے، سہروردی ملحد کو انہی کے ایماء سے ان کے صاحبزادہ الملک الظاہر نے قتل کروایا، ان کو خدا پر بڑا بھروسہ اور اس کی ذات عالی کے ساتھ بڑا حسن ظن تھا، کٹھن گھڑیوں اور نازک اوقات میں اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع اور دعا و مناجات کی عادت تھی، ایک مرتبہ بیت المقدس کو صلیبی افواج کی طرف سے جو اس کے قریب مجتمع تھیں، سخت خطرہ لاحق تھا، سلطان کو بیت المقدس کی بڑی فکر تھی، اور وہ کسی طرح بھی وہاں سے چلے جانے پر راضی نہ تھے، شبِ جمعہ تھی، جاڑوں کی راتیں تھیں، میں تنہا خدمت میں حاضر تھا، ہم دونوں رات بھر ذکر و دعا میں مشغول رہے، سلطان کے مزاج پر اکثر خشکی اور یبوست غالب آجایا کرتی تھی، رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہوا کہ ان کا مزاج ناساز ہو جائے گا، میں نے عرض کیا کہ کچھ دیر آرام فرما لیں، فرمایا شاید تمھیں نیند نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنایا ہے، اس لئے مجھے مشورہ دیتے ہو؟ یہ کہہ کر وہ اٹھے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں موذن نے صبح کی اذان دی، میں عموماً فجر ساتھ ہی پڑھا کرتا تھا، حاضر ہوا تو دیکھا کہ اپنے ہاتھ پاؤں پر پانی ڈال رہے ہیں، مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے جھپکی بھی نہیں لی، ہم نماز میں مشغول ہوگئے، مجھے ایک خیال آیا، اور میں نے عرض کیا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے، اور انشاء اللہ وہ مفید ہوگی، وہ یہ کہ آپ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کریں، اور اس سے گڑگڑا کر دعا مانگیں، اور یقین رکھیں کہ وہی یہ مشکل آسان کرسکتا ہے، فرمایا کہ اس کی کیا ترکیب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آج جمعہ کا دن ہے، مسجد جاتے ہوئے آپ غسل فرمائیں، اور مسجد اقصیٰ میں اس مقام پر نماز پڑھیں جہاں سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے، اور پہلے کسی معتبر آدمی کے ذریعہ بالکل پوشیدہ طور پر کچھ صدقہ کریں، پھر اذان واقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھیں ایک حدیث میں اس کی فضیلت اور اس وقت دعا کی قبولیت کی خبر دی گئی ہے، اور سجدہ میں سر رکھ کر عرض کریں کہ "خدایا مادی اسباب اور دنیاوی سہارے سب ٹوٹ چکے اب تیرے دین کی مدد اور فتح کے لئے صرف یہی سہارا رہ گیا ہے کہ تیرے آستانہ پر سر رکھ دیا جائے، اور تیرے سہارے کو مضبوط پکڑ لیا جائے، اب صرف تیرا بھروسہ ہے، اور تو ہی میرا حامی و ناصر ہے" مجھے امید قوی ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا، سلطان نے ایسا ہی کیا، میں نے اپنے معمول کے مطابق ان کے پہلو میں نماز پڑھی، میں نے دیکھا کہ وہ سجدہ میں پڑے ہیں، آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی ہے، اور جانماز پر آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں، میں نے نہیں سنا کہ انھوں نے کیا دعا کی، اسی دن سے ان کی دعا کے قبولیت کے آثار ظاہر ہونے لگے، صلیبی فوجوں میں انتشار و اضطراب پیدا ہوا، پے در پے اطمینان بخش اطلاعیں آتی رہیں، یہاں تک کہ دوشنبہ کی صبح تک میدان بالکل صاف ہوگیا، اور حملہ آور فوجیں بیت المقدس کا خیال چھوڑ کر رملہ کی جانب چلی گئیں"۔[1]

[1] النوادر السلطانیہ صنہ ۵۱

محاسنِ اخلاق

عبادات و فضائل اعمال کے علاوہ حاکمانہ فضائل، عدل، عفو و حلم، جود و سخاوت، مروت و شرافت، صبر و استقامت، شجاعت و فتوت، اور شہامت و علو ہمت کے اوصافِ عالیہ سے آراستہ تھے۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ "ہفتہ میں دو بار، دوشنبہ و پنجشنبہ کو اذنِ عام ہوتا تھا، فقہاء، قضاۃ، وعلماء، اور اہلِ مقدمہ حاضر ہوتے، بڑے چھوٹے، امیر غریب، بوڑھے اور عام بڑھیوں تک کو آنے کی اجازت تھی، سفر و حضر میں کبھی اس معمول میں فرق نہ آتا، رات دن میں ایک بار خود معاملات کو دیکھتے، اور رقعات و فرامین پر خود دستخط کرتے، کبھی کسی صاحبِ غرض اور حاجت مند کو ناکام واپس نہ کرتے، اس کے ساتھ ساتھ ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے۔

اگر کوئی فریاد یا شکایت کرتا تو خود کھڑے ہو کر اس کا مقدمہ سنتے اس کی دادرسی کرتے، اور اس کے معاملہ سے پوری دلچسپی لیتے، ایک مرتبہ ایک معمولی شخص نے ان کے بھتیجے تقی الدین کے خلاف (جو سلطان کو بہت عزیز تھے) دعویٰ کیا، سلطان نے فوراً ان کو طلب کیا، اور مقدمہ کی سماعت کی، خود ان کے خلاف ایک شخص نے دعویٰ کیا، سلطان نے معاملہ کی پوری تحقیق کی، اگرچہ مدعی کا حق ثابت نہیں ہوا لیکن سلطان نے اس کو ناکام واپس نہیں کیا، اور خلعت و مال سے سرفراز کیا۔

بڑے بردبار اور متحمل مزاج تھے، مورخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ "اپنے رفقاء و خدام کی غلطیوں اور لغزشوں سے چشم پوشی کرتے، بعض مرتبہ کوئی ایسی بات سنتے جس سے ان کو تکلیف یا ناگواری ہوتی، لیکن وہ اس کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتے اور نہ اپنے طرزِ عمل سے کوئی فرق آنے دیتے، ایک مرتبہ پانی مانگا، پانی نہیں آیا، پھر مانگا، پھر نہیں ملا، یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں پانچ مرتبہ نوبت آئی، آخر میں کہا کہ دوستو! میں تو پیاس سے مرا جا رہا ہوں، اتنے میں پانی آیا، سلطان نے پی لیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس تاخیر پر کچھ نہ کہا[1]۔ ایک مرتبہ سخت بیماری سے اٹھے اور غسل صحت کے لئے حمام میں گئے پانی بہت گرم تھا، ٹھنڈا پانی مانگا، خادم نے پانی حاضر کیا، پانی کچھ چھلک کر ان پر گرا، ضعف کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوئی، پھر ٹھنڈا پانی مانگا، اس مرتبہ ٹھنڈے پانی کا پورا طشت گر گیا، اور سارا پانی ان پر آ گیا، اور وہ مرتے مرتے بچے، لیکن صرف اتنا کہا کہ مجھے مارنے کا ارادہ ہو تو کہدو، خادم نے معذرت کی اور وہ خاموش ہو گئے، اور کوئی باز پرس نہیں کی[2]۔ قاضی ابن شداد نے سرداران فوج کی غلطیوں اور اہل دربار کی بے عنوانیوں سے درگذر اور سلطان کے عفو و حلم کے متعدد موثر واقعات لکھے ہیں[3]:۔

"جود و سخاوت کا یہ حال تھا کہ بقول ابن شداد بعض اوقات فتح کئے ہوئے صوبے دوسروں کو بخش دیئے، آمد فتح کیا، ایک سردار ابن قرہ ارسلان نے ان سے خواہش کی اور انھوں نے بخش دیا، بعض مرتبہ سامان بیچ کر وفود کو عطایا و انعامات سے نوازتے، محافظین خزانہ بعض اوقات کسی نازک وقت کے لئے کچھ چھپا کر رکھ لیتے کہ سلطان کو اگر خبر ہوگی، تو وہ رہنے نہیں دیں گے، ایک مرتبہ انھوں نے دوسروں پر رکھ کر یہ بات کہی کہ بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں، جو روپیہ اور مٹی کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے اپنا ہی حال بیان کیا ہے[4]۔"

"مروت و شرافت کا یہ حال تھا کہ آنے والے اور ملاقات کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے، خواہ کافر ہو، صیدا کا والی ملاقات کے لئے آیا، سلطان نے اس کی بڑی خاطر کی، اپنے ساتھ کھانا کھلایا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی دعوت بھی دی، اور اس کے فضائل و محاسن بیان کر کے اس کو اسلام کی ترغیب دی، اس مروت و شرافت کا نتیجہ تھا کہ اپنے سب سے بڑے حریف رچرڈ کو اس کی بیماری میں برف اور پھل بھیجتے رہے[5]۔"

۱ تاریخ ابن خلکان ترجمہ سلطان صلاح الدین ۲ ایضاً ۳ النوادر السلطانیہ ص ۲۴،۲۱ ۴ ایضاً ص ۱۳،۱۴
۵ الفتح القسی فی الفتح القدسی عماد الدین الکاتب۔

"سلطان بڑے شریف النفس، رقیق القلب اور دردمند انسان تھے، ظلم کو برداشت نہ کر سکتے تھے کسی آفت رسیدہ کمزور مخلوق کی تکلیف کی تاب نہ لا سکتے، ابن شداد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عیسائی بڑھیا ان کے پاس آئی، وہ سینہ پیٹتی تھی اور برابر روئے جا رہی تھی، سلطان نے سبب پوچھا، کہا کہ میری چھوٹی سی بچی کو ڈاکو میرے خیمہ سے اٹھا لے گئے، مجھے روتے پوری رات ہو گئی، سلطان کے ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ سلطان شفیق و مہربان ہیں، ہم تمھیں ان کے پاس پہنچا دیتے ہیں، تم ان سے فریاد کرنا، انھوں نے مجھے آپ کی خدمت میں پہونچا دیا، اب میں اپنی بچی آپ ہی سے لوں گی، سلطان کو اس کی حالت پر بڑا ترس آیا، اُن کی آنکھیں پُر آب ہو گئیں اسی وقت ایک شخص کو لشکر کے بازار میں بھیجا کہ تحقیق کرے کہ کس نے اس کی بچی کو خریدا ہے، جس نے خریدا ہو اس کو قیمت دے کر اور بچی کو لے کر آئے، تھوڑی دیر میں وہ سوار بچی کو کاندھے پر لئے ہوئے نظر آیا، بڑھیا زمین پر گر گئی، اور اپنی پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک اپنی (مغربی) زبان میں کچھ کہتی رہی پھر خوش خوش اپنی بچی کو لے کر چلی گئی[1]۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ جب سلطان کسی یتیم کو دیکھتے تو محبت و شفقت کی باتیں کرتے، اور اس کی دلجوئی فرماتے، اس کو کچھ عنایت فرماتے اگر کوئی پرورش کرنے والا نہ ہوتا تو اپنی طرف سے اس کا کچھ انتظام فرماتے، اسی طرح جب کسی معمر شخص یا بوڑھے کو دیکھتے تو بڑے متاثر ہوتے اس کے ساتھ کچھ سلوک کرتے[2]؛

مردانہ اوصاف

صبر و استقامت اس درجہ کی تھی کہ قاضی ابن شداد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کمر سے گھٹنوں تک اس قدر دانے اور پھوڑے تھے کہ بیٹھنے سے معذور تھے، یہاں تک کہ دستر خوان بچھا اور کھانا تناول نہ کر سکے اس لئے کہ بیٹھنے کی قدرت ہی نہ تھی، اس کے باوجود دشمن کے مقابل صف آرا تھے، میں نے دیکھا ہے کہ صبح سے

۱ النوادر السلطانیہ ص ۲۶ ۲ ایضاً ص ۲۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغرب تک گھوڑے پر سوار ایک طرف سے دوسری طرف برابر چکر لگاتے اور افواج اور انتظامات کا معائنہ فرماتے اور پھوڑوں کی تکلیف کو تحمل سے برداشت کرتے، میں تعجب کا اظہار کرتا تو فرماتے کہ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد مجھے درد کا احساس نہیں رہتا۔[1]

ایک معرکہ میں حالتِ بیماری میں برابر دشمن کا تعاقب کیا، ایک رات میں اور طبیب سلطان کے پاس تھے، ہم تیمارداری بھی کرتے تھے اور ان کی طبیعت بھی بہلاتے تھے، سلطان کبھی سوتے کبھی جاگتے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، سلطان سوار ہو کر تیار ہوگئے، اپنے لڑکوں کو اللہ کے راستہ میں سب سے آگے کیا، اور سب کو خدا کے نذر کر دیا، ایک ایک کر کے سلطان نے سب کو روانہ کر دیا، صرف میں اور طبیب رہ گئے، شام تک سلطان اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑے رہے، اور جنگ کی نگرانی کی، یہاں تک کہ رات کو لشکر کو مسلح اور ہوشیار رات گزارنے کی اجازت ملی، اور ہم اور سلطان اپنے خیمہ میں واپس آئے۔[2]

شجاعت میں سلطان ضرب المثل تھے، قاضی ابن شداد راوی ہیں کہ سلطان دن میں ایک ایک دو دو بار دشمن کے گرد گشت کرتے، گھمسان کی لڑائی میں سلطان تن تنہا گھوڑے پر صفوں کے درمیان چکر لگاتے، ایک کوتل گھوڑا سائیس کے ساتھ ہوتا، اور وہ خیمہ سے میسرہ تک فوجوں میں گھستے، صفیں چیرتے نکل جاتے فوجی دستوں کو بلاتے، ان کو مناسب مقامات پر ٹھہرنے یا بڑھنے کا حکم دیتے، ان کے اطمینان اور بے خوفی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ سلطان نے مختلف مواقع پر حدیث سنی ہے، لیکن کبھی عین معرکہ اور دو صفوں کے درمیان حدیث سننے کی نوبت نہیں آئی، اگر یہ شرف بھی حاصل ہو جائے تو بہت اچھا ہے چنانچہ سلطان نے صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر حدیث شریف کی سماعت کی،[3] انھوں نے کبھی دشمن کی تعداد کی پرواہ نہیں کی، اور نہ کبھی اس کا اثر قبول کیا، بعض بعض مرتبہ پانچ پانچ چھ چھ لاکھ کی تعداد ان کے مقابلہ میں تھی، اللہ نے ان کو فتح دی، اور کثیر خلقت قتل اور گرفتار ہوئی،[4] ایک مرتبہ دشمن کے کچھ اوپر ستّر

[1] النوادر السلطانیہ ص۱۸ [2] ایضاً ص۱۹ [3] ایضاً ص۱۵ [4] ایضاً

جہاز عکہ میں آئے، میں عصر سے مغرب تک گنتا رہا، لیکن سلطان کے چہرہ پر شکن نہ تھی، عکہ کے سب سے بڑے معرکہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، قلب لشکر تک نے اپنی جگہ چھوڑ دی، نشان و پرچم اور طاشے زمین پر گر گئے لیکن سلطان چند ساتھیوں کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہے، یہاں تک کہ پہاڑ کو پشت پر رکھ کر کھڑے ہوگئے، مسلمانوں کو للکارا اور شرم دلائی، اور وہ میدان میں واپس آئے، اور دوبارہ حملہ کیا، جس میں دشمن کے سات ہزار آدمی قتل ہوئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی،[1] سلطان کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان نے ایک روز فرمایا کہ "میں تم سے اپنے دل کی بات کہتا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ ساحل کو صلیبیوں سے پاک کرنے کے بعد ملک کو تقسیم کر دوں، وصیت کر کے اور ہدایات دے کر خود یہاں سے رخصت ہو کر چلا جاؤں، اور سمندر میں سفر کر کے یورپ کے جزائر تک پہونچوں، اور ان مغربیوں (یورپین قوموں) کا وہاں تک تعاقب کروں کہ روئے زمین پر کوئی کافر نہ رہ جائے یا میں اس ارادہ میں کام آجاؤں"[2]

علم و فضیلت

سلطان عالم فاضل شخص تھے، عرب کے انساب و قبائل یہاں تک کہ ان کے مشہور گھوڑوں کے سلسلۂ نسب پر ان کو عبور تھا، عربوں کے واقعات و حالات ان کو مستحضر تھے، دنیا کے عجائبات و نوادر کا ان کو علم تھا، ہر طرح کے معلومات رکھتے تھے، ان کے ہمنشینوں کو ان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی تھیں،[3] بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان کو حماسہ حفظ تھا،[4] لین پول ان کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اس کا اصلی رجحانِ طبیعت دینیات کی طرف تھا، علمائے وقت سے احادیث سنتے، ان کے براہین اور راویوں کے سلسلہ کی تحقیق، مسائل فقہ پر بحث، آیات قرآنیہ کی تفسیر میں اسے بڑا انہماک رہتا تھا، اور سب سے بڑھ کر اس بات کا ذوق تھا کہ مذہب اہل سنت والجماعت کی تائید اور ثبوت قوی دلائل سے دیا جائے"[5]

[1] النوادر السلطانیہ ص۱۵ [2] ایضاً ص۱۷ [3] ایضاً ص۲۷ [4] ایضاً [5] سلطان صلاح الدین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاطمی حکومت کا زوال اور صلاح الدین کا دوسرا کارنامہ

سلطان صلاح الدین کا مصر میں اقتدار عبیدی سلطنت[1] (جو عام طور پر فاطمی مشہور ہے) کا خاتمہ تھا جو ۲۹۶ھ سے ۵۶۷ھ تک پورے دو سو اڑسٹھ سال بڑی شان و شوکت سے قائم رہی، اور اس نے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ کے عقائد، اعمال و اخلاق اور تمدن پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا، یہ دورِ حکومت اعتقادی عجائبات، عجیب و غریب احکام اور مضحکہ خیز قوانین سے پُر تھا جس کے بعض نمونے مشہور مؤرخ مقریزی کی کتاب "الخطط و الآثار" سے پیش کئے جاتے ہیں:۔

"۳۶۲ھ میں قانونِ میراث میں ترمیم کی گئی، اور قانون بنایا گیا کہ اگر متوفی نے بیٹی چھوڑی ہو تو بیٹے بھتیجے چچا وغیرہ کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا، اس قانون کی خلاف ورزی کو حضرت فاطمہؓ کے ساتھ عداوت کا مرادف سمجھا جاتا ہے، ہلال کا دیکھنا پوری مملکت مصر میں موقوف ہو گیا، روزہ اور عید حساب سے ہونے لگے۔

۳۷۲ھ میں پورے ملک مصر میں تراویح کی سرکاری ممانعت کر دی گئی، موطا امام مالک کے ایک نسخہ کے پائے جانے پر ایک شخص کی تشہیر کی گئی۔

۳۹۳ھ میں ۱۳ آدمیوں کو اس جرم میں زد و کوب کیا گیا، اور ان کی تشہیر کی گئی کہ انھوں نے صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) پڑھی تھی، ۳۹۵ھ میں ملوخیا (ایک ترکاری) کو جو اہلِ مصر کو بہت مرغوب ہے، اس لئے ممنوع قرار دیا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی، جرجیر کی اس لئے ممانعت ہوئی کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو مرغوب تھی، اسی سنہ میں تمام مساجد، دیواروں، مقابر، اور صحراؤں میں سلف کو سب و شتم اور لعنت لکھی گئی، اور اس کو منقش کیا گیا، ۴۱۱ھ میں الظاهر لاعزاز دین الله نے شراب کی عام اجازت

[1] محققینِ انساب کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ بنی عبید کو خاندانِ نبوت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا، ان کا مورثِ اعلیٰ عبید مجوسی یا یہودی تھا، قاضی ابوبکر محمد بن الطیب نے اپنی کتاب "الکشف عن اسرار الباطنیہ" اور قاضی عبد الجبار نے کتاب "تثبیت النبوۃ" اور مقدسی نے اپنی کتاب "کشف ما کان علیه بنو عبید" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

دی، عیش و عشرت اور لہو و لعب کی گرم بازاری ہوئی، اسی زمانہ میں ملک میں سخت گرانی اور بیماریوں کا زور تھا، لوگ محل شاہی کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور "الجوع الجوع" (بھوک بھوک) کے نعرے لگاتے تھے، لوٹ مار کی کثرت ہوئی۔

۴۳۴ھ میں ولی عہد کی جس کی عمر ۸ سال کی تھی، سواری نکلی تمام بازار آراستہ تھے، لوگ زمیں بوس ہوتے تھے۔

ان خلفاء میں متعدد اشخاص ایسے تھے، جو نہایت کم سنی میں خلیفہ بنائے گئے، اور مسلمانوں پر ان کی اطاعت فرض قرار دی گئی، مستنصر باللہ جب خلیفہ ہوا تو سات برس کی عمر تھی، آمر باحکام اللہ کی عمر خلافت کے وقت پانچ سال ایک مہینہ کچھ دن تھی، الفائز بنصر اللہ خلافت کے وقت صرف پانچ سال کا تھا، عاضد لدین اللہ کی عمر جب وہ خلیفہ ہوا گیارہ سال تھی۔"[1]

سلطان صلاح الدین کی حکومت سے اس دور کا خاتمہ اور دوسرے دور کا آغاز ہوا مصر سے شیعیت و رفض کے آثار مٹنے لگے، سنت کا فروغ ہوا، جا بجا مدارس قائم ہوئے جن میں علمائے سنت علوم دینیہ کی تعلیم دیتے، رفتہ رفتہ عبیدی حکومت کے اثرات بالکل زائل ہو گئے، اس کے ساتھ اسماعیلیت جو تقریباً تین صدیوں تک مصر کا سرکاری مذہب رہا تھا مصر میں غریب الوطن ہو گیا، مورخ مصر مقریزی لکھتا ہے:۔

واختفی مذهب الشيعة والاسماعيلية	شیعہ، اسماعیلیہ اور امامیہ کا مذہب روپوش ہو گیا،
والامامية حتى فقد من ارض مصر كلها.	یہاں تک کہ پورے ملک مصر میں اس کا کہیں وجود نہیں تھا

عبیدی حکومت کا یہ صد سالہ عہد اسلام کے لئے ایک دورِ ابتلا تھا جس میں مسلسل شریعت و سنت اور عقائد و اخلاق کے ساتھ تمسخر و تلاعب جاری رہا، اہلِ سنت اور اہلِ علم مقہور و مغلوب رہے، سفلہ طبیعت، اوباش مزاج، اور بددین غالب و حاوی رہے، علامہ مقدسی اپنی کتاب "کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین" میں اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وبقی هذا البلاء على الاسلام من اول	عبیدیوں کی حکومت آغاز سے اختتام تک یہ بلا ر

[1] کتاب الخطط والآثار للمقریزی ص ۳۴۰، ۳۵۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولتهم الى اخرها وذلك من ذي الحجة سنة تسع وتسعين ومائتين الى سنة سبع وستين وخمسمائة وفي ايامهم كثرت الرافضة واستحكم امرهم ووضعت المكوس على الناس واقتدى بهم غيرهم وافسدت عقائد طوائف من اهل الجبال الساكنين ثغور الشام كالنصيرية والدرزية والحشيشة نوع منهم وتمكن دعاتهم منهم لضعف عقولهم وجهلهم ما لم يتمكنوا من غيرهم واخذت الفرنج اكثر البلاد بالشام والجزيرة الى ان منّ الله على المسلمين بظهور البيت الاتابكي وتقدم مثل صلاح الدين فاستردوا البلاد وازالوا هذه الدولة عن ارقاب العباد۔[1]

اسلام پر مسلط رہی، اس کی ابتدا ذی الحجہ ۲۹۹ھ سے ہوتی ہے، اور اس کا خاتمہ ۵۶۷ھ پر ہوتا ہے، ان کے دورِ حکومت میں روافض کی کثرت اور ان کا غلبہ ہوا، لوگوں پر محاصل اور ٹیکس مقرر کیے گئے، اور دوسروں نے ان کی اقتدا کی، شامی حدود پر بسنے والے کوہستانوں نصیریوں، دروزیوں کے عقائد انہی کے اثر سے خراب ہوئے، حشیشی (بھنگ استعمال کرنے والے) انہی کی ایک قسم ہیں، ان اسماعیلیوں کے مبلغین کا جو اثر و نفوذ ان کوہستانیوں کے اندر ان کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے ہوا، وہ دوسروں میں نہیں ہو سکا، انہی کے دورِ حکومت میں فرنگیوں نے شام اور جزیرہ کے اکثر اسلامی شہروں پر قبضہ کر لیا، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا کہ خاندان اتابک برسرِ اقتدار ہوا، اور صلاح الدین جیسے مجاہد سامنے آئے جنھوں نے اسلامی ملک از سرِ نو بازیاب کیا، اور اس حکومت سے بندگانِ خدا کو نجات دی۔

اس انقلابِ سلطنت پر جو ایک بڑے دینی و اخلاقی انقلاب کا پیش خیمہ تھا، صحیح العقیدہ مسلمان اور محبینِ سنت کی مسرت بالکل قدرتی بات تھی، علامہ مقدسی نے جن کی ولادت سے صرف ۲۹ سال پہلے انقلاب ہوا تھا، اور ان تغیرات و اثرات کا انھوں نے خود مشاہدہ کیا تھا، جو اس کے نتیجہ میں پیش آئے تھے،

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ج ۱ ص ۲۰۱

اپنی مسرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔

انقرضت تلك الدولة وزالت عن الاسلام بمصر بانقراضها الذلة۔[1]

یہ حکومت ختم ہوئی، اور اس کے ساتھ ساتھ مصر میں اسلام کی ذلت کا دور بھی اختتام کو پہونچا۔

حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب "الصواعق المرسلة" میں باطنیوں کے عروج اور اس کے اثرات، پھر نور الدین اور صلاح الدین کے ہاتھوں اس سلطنت کے زوال کا تذکرہ ان پرجوش الفاظ میں کیا ہے:۔

"ان باطنیوں کی دعوت مشرق میں تو مضمحل ہو گئی، اور مغرب میں رفتہ رفتہ اس کا ظہور شروع ہوا، یہاں تک وہ بڑی طاقتور دعوت بن گئی اور اس کے پنجے جم گئے، اور اس کے علمبردار مغربِ اقصیٰ کے اکثر شہروں پر قابض ہو گئے، پھر انھوں نے آگے قدم بڑھایا، اور مصر تک پہونچ گئے، انھوں نے اس پر قبضہ کر لیا، اور قاہرہ کی بنیاد رکھی، انھوں اور ان کے حکام و قضاۃ نے کھلے طریقہ پر اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، انہی کے زمانہ میں رسائل اخوان الصفا تصنیف ہوئے اور ابن سینا نے "اشارات" اور "شفا" اور دوسری تصنیفات کیں، خود ابن سینا کا بیان ہے کہ میرے والد حاکم باللہ (فاطمی خلیفہ اور داعی) کے مبلغین میں سے تھے، ان فاطمیوں کے دور میں سنت و آثار کا چلن موقوف ہوا، اور کتبِ سنت بالائے طاق رکھدی گئیں، کہیں کوئی چھپ چھپا کر ان کو دیکھتا ہوگا، اور عمل کرتا ہوگا، اس دعوت کا تمغۂ امتیاز اور بنیادی اصول یہ تھا کہ عقل کو انبیاء علیہم السلام کی وحی و تعلیمات پر ترجیح حاصل ہے۔

رفتہ رفتہ سارے ملک مغرب، مصر و شام و حجاز پر ان باطنیوں کا تسلط ہوگیا، عراق پر بھی سال بھر ان کا قبضہ رہا، اہلِ سنت ان کے دورِ حکومت اور ان کی مملکت میں ذمیوں (مسلمان حکومت کی غیر مسلم رعیت) کی طرح رہتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ذمیوں کو وہ امن و امان اور عزت و اعتبار حاصل تھا جو اہلِ سنت کو نصیب نہ تھا، کتنے علماء اس دور میں قابلِ گردن زدنی قرار پائے، کتنے وارثین انبیاء ان کے قید خانوں میں پڑے پڑے دنیا سے چلے گئے۔

[1] ایضاً ص ۲۰۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخر غیرتِ الٰہی کو جوش آیا، اور نور الدین اور صلاح الدین کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو ان باطنیوں کے پنجۂ غضب سے چھڑایا، ان ملکوں میں اسلام کا دمِ واپسیں معلوم ہوتا تھا، لیکن اس انقلاب سلطنت سے اسلام کو نئی زندگی عطا ہوئی، اور اس کا آفتابِ اقبال گہن سے نکلا، اور روئے زمین کے مسلمانوں کو اس سے مسرّت ہوئی جب کہ ہر طرف یہ پوچھا جا رہا تھا کہ اس دورِ ابتلا میں اسلام کا کوئی حامی و مددگار ہے؟ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے اور لشکرِ مجاہدین کے ذریعہ بیت المقدس کو پرستاران صلیب سے آزاد کرایا، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے انصار نے اپنی اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق دینِ حق کی نصرت کا حق ادا کیا۔"[1]

اس عصر کی تاریخی کتابوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عالم اسلام نے بالعموم اور شام و عراق نے بالخصوص اس اطلاع کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا، اور عام و خاص مسلمانوں نے اس پر بڑی مسرّت کا اظہار کیا۔[2]

اس طرح صلاح الدین نے ایک طرف مجاہدینِ صلیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر عالم اسلام کو سیاسی غلامی اور اخلاقی و تہذیبی بدنظمی اور مغربی ترکتازوں کی ہوس کا شکار بننے سے صدیوں تک کے لئے محفوظ کر دیا، دوسری طرف عبیدی (مشہور بفاطمی) حکومت کا خاتمہ کر کے اس نے ایک چشمۂ فساد کو بند کر دیا، جو مصر سے نکل کر عالم اسلام میں باطنیت و اسماعیلیت کے اثرات کو پھیلا رہا تھا، اور دو تین صدیوں سے امت میں ذہنی انتشار اور اعتقادی و اخلاقی فساد کا ذمہ دار تھا، تاریخِ اسلام صلاح الدین کے ان دونوں کارناموں کو کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی، اور کسی ملک کا مسلمان اس کردی مجاہد کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

جزاہ اللہ عَنِ الْاسْلام والمسلمین خَیْرَ الجزاء

[1] الصواعق المرسلہ علی الجہمیہ والمعطلہ ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴ [2] کتاب الروضتین ج ۱ ص ۱۹۸، ۱۹۹

شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السّلام

سلطان صلاح الدین کی مجاہدانہ کوششوں، ان کی علمی و دینی سرپرستی، جا بجا دینی مدارس کے قیام، نیز شیعی اثرات کے اضمحلال اور سنی العقیدہ سلاطین کے اثر سے علمی و عملی زندگی میں تازگی پیدا ہوئی، اور علوم شرعیہ کے تعلیم و تعلّم اور ان میں کمال پیدا کرنے کی طرف عالم اسلام میں از سرِ نو توجہ ہوئی، اس کا نتیجہ تھا کہ ساتویں صدی ہجری میں متعدد باوقار دینی شخصیتیں پیدا ہوئیں، جنھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں دعوت و اصلاح کا فریضہ انجام دیا، اور حکومت اور زمانہ کے غلط رجحانات کا مقابلہ کیا، ان میں سب سے زیادہ باعظمت شخصیت شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السلام (م ۶۶۰ھ) کی ہے، جو اپنے علم و تقویٰ اور حق گوئی و بیباکی میں نادرۂ روزگار اور قرونِ اولیٰ کی یادگار تھے۔

علمی عظمت

عزالدین بن عبد السلام دمشق میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے، اساتذۂ دمشق اور مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی، جن میں فخر الدین بن عساکر، سیف الدین آمدی، حافظ ابو محمد القاسم بن عساکر جیسے اجلّۂ علماء دو اساتذۂ وقت تھے، بعض روایتوں کے مطابق انھوں نے جوانی میں پڑھنا شروع کیا، لیکن جلد تمام علوم میں تبحر حاصل کر لیا، اور ان کے معاصرین نے ان کی علمی جلالتِ شان اور عظمت کا اعتراف کیا، علامہ ابن دقیق العید نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی بعض تصانیف میں ان کو سلطان العلماء کے لقب سے یاد کیا ہے، وہ جب ۶۳۹ھ میں مصر تشریف لے گئے تو حافظ عبدالعظیم المنذری صاحب کتاب "الترغیب والترہیب" نے فتویٰ دینے سے معذوری ظاہر کی، اور کہا کہ جس شہر میں عزالدین بن عبدالسلام ہوں، وہاں دوسرے کے لئے فتویٰ دینا درست نہیں، شیخ جمال الدین ابن الحاجب کا قول ہے کہ فقہ میں شیخ عزالدین کا پایہ امام غزالی سے بلند ہے۔[1]

ذہبی اپنی کتاب "العبر" میں لکھتے ہیں:-

انتهت اليه معرفة المذهب مع الزهد والورع وبلغ رتبة الاجتهاد۔[2]	فقہ کے علم اور زہد و ورع میں ان کو کمال حاصل تھا، اور درجۂ اجتہاد کو پہونچے ہوئے تھے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے عرصہ تک دمشق میں "زاویۂ غزالیہ" میں درس دیا، جامع اموی میں خطابت وامامت کے منصب پر عرصہ تک فائز رہے، شیخ شہاب الدین ابوشامہ کا بیان ہے کہ ان کی وجہ سے بدعات کا ازالہ ہوا، جو ان کے زمانہ میں رواج پذیر ہوگئی تھیں، صلاۃ الرغائب اور نصف شعبان[3] کی کھل کر مخالفت کی، اور ان کو بدعت ثابت کیا، بعض اکابر علماء ان کے بارہ میں ساکت اور متردد تھے، الملک الکامل نے دمشق کے عہدۂ قضا کے لئے بڑا اصرار کیا، شیخ نے بڑی شرطوں کے ساتھ اس کو منظور کیا، اسی عرصہ میں ایک بار وہ الملک الکامل کی طرف سے دربار خلافت (بغداد) میں سفیر بن کر گئے۔

---

۱ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۸۳ ۲ حسن المحاضرۃ للسیوطی ص ۱۴۱ ۳ صلوٰۃ الرغائب ایک نماز تھی، جو ستائیس رجب کو بارہ رکعتوں اور خاص ترکیب کے ساتھ شب کو پڑھی جاتی تھی، اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی جاتی تھی، یہ نماز ۴۴۸ھ میں ایجاد ہوئی، اور عام بدعات کی طرح تیزی سے پھیل گئی، شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس کے ظہور کی پوری تاریخ لکھی ہے، ملاحظہ ہو "اتحاف السادۃ شرح احیاء" ص ۴۲۳، نصف شعبان پندرھویں شب کو سو رکعتیں خاص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں، علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں بدعت ہیں، ابن سبکی نے اس کو بدعت مذمومہ لکھا ہے، امام نووی نے اس کے لئے موضوع، منکر اور قبیح کے الفاظ استعمال کئے ہیں (اتحاف السادۃ۔ ج ۳ ص ۴۲۵-۴۲۷)

سلاطین کو صلاحِ نیک اور اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی

شیخ عزالدین کی شخصیت شام میں سب سے بڑی دینی شخصیت تھی، جس کا سلاطین وقت تک احترام کرتے تھے، وہ بڑے باوقار بارعب اور خوددار تھے، انھوں نے کبھی کسی بادشاہ کے یہاں حاضری دینا یا درباداری کرنا گوارا نہیں کیا، جب کبھی بادشاہ وقت نے خود تشریف آوری کی درخواست کی تو تشریف لے گئے، اور اس کو صحیح مشورہ دیا، اور اس کی اور اسلام و مسلمانوں کی خیرخواہی میں کمی نہیں کی۔

سلطان الملک الاشرف نے مرض الموت میں اپنے سب سے بڑے عہدہ دار کو شیخ کی خدمت میں بھیجا، اور کہلایا کہ آپ کا محب موسیٰ بن الملک العادل ابوبکر سلام عرض کرتا ہے، اور عیادت اور دعا کی درخواست کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ آپ اس کو کوئی ایسی نصیحت فرمائیں، جو کل خدا کے سامنے اس کے کچھ کام آئے، شیخ نے سن کر کہا کہ یہ عیادت افضل عبادت ہے، اس لئے کہ انشاءاللہ اس کا نفع متعدی ہے، چنانچہ تشریف لے گئے، سلطان ان کی تشریف آوری سے بیحد مسرور ہوا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اس سے پہلے سلطان کو کچھ غلط فہمی ہوگئی تھی، اور سلطان عرصہ تک ان سے ناراض رہا تھا[1]، سلطان نے اس کی معافی چاہی اور کہا کہ آپ

---

۱ چھٹی ساتویں صدی میں اشعریت وحنبلیت کے اختلاف نے باوجود بنیادی اتحاد کے تقریباً وہ شکل اختیار کرلی تھی، جو چوتھی صدی میں اعتزال وسنیت کے اختلاف کی تھی، اشاعرہ صفات کی تشریح اور تاویل کرتے تھے، اور حنابلہ اس کو بالکل اپنی حقیقت اور لفظ پر رکھتے تھے، ہر گروہ خوش نیتی کے ساتھ اس کو دینی خدمت اور سنت وشریعت کے ساتھ خیرخواہی سمجھتا تھا لیکن بعد کی صدیوں میں اس کو غیر معمولی اہمیت اور طول دے دیا گیا، اور رائی کا پہاڑ بن گیا، تحزب وتعصب نے اس کو بھی کفر وایمان کا معیار قرار دے دیا، شیخ عزالدین کے زمانہ میں یہ مباحث بڑی شدت اختیار کرچکے تھے، وہ عقیدۃً وعملاً اشعری تھے، الملک الاشرف حنابلہ کا معتقد اور حنبلیت کی طرف مائل تھا، ابتداء میں اس کو شیخ سے بدگمانی اور شکایت پیدا ہوئی، لیکن شیخ کی ملاقات اور تفصیلی معلومات کے بعد اس کی بدگمانی دور ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ۔ ج ۵ ص ۸۵-۹۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھے معاف فرمائیں، میرے لئے دعا بھی فرمائیں، اور مجھے کچھ نصیحت بھی فرمائیں، شیخ نے فرمایا کہ جہاں تک معاف کرنے اور بازپرس کرنے کا تعلق ہے، میں روزانہ سونے سے پہلے اللہ کے بندوں کو اپنی طرف سے معاف کر دیتا ہوں، اور اس وقت سوتا ہوں، جب کہ کسی کے ذمہ میرا کوئی حق یا مطالبہ یا شکایت باقی نہیں رہتی، اور میرا اجر مخلوق کے بجائے اللہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ"۔

باقی رہی دعا تو میں سلطان کے لئے اکثر دعا کیا کرتا ہوں، اس لئے کہ اس کی صلاح میں اسلام اور مسلمانوں کی خیر و فلاح ہے، اللہ تعالےٰ سلطان کو ان امور کی بصیرت عطا فرمائے، جن سے وہ خدا کے سامنے سرخرو ہو، رہی نصیحت تو اب وہ سلطان کی آمادگی اور تقاضے کی وجہ سے فرض واجب ہوگئی ہے، مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ کی فتوحات اور دشمنوں پر غلبہ کی دھوم ہے، اس وقت حالت یہ ہو رہی ہے کہ تاتاری اسلامی ممالک میں گھستے چلے جا رہے ہیں، ان کو اس بات سے تسلی ہے کہ آپ کو اس وقت اللہ تعالےٰ کے دشمنوں اور مسلمانوں کے حریفوں سے جنگ کرنے کی فرصت نہیں، اس وقت آپ کا رُخ الملک الکامل سے جنگ کرنے کی طرف ہے، اور آپ ان کے مقابلہ کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں، الملک الکامل آپ کے بڑے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں، میں صرف یہ عرض کروں گا کہ آپ اپنا رُخ اپنے بھائی کی طرف سے ہٹا کر دشمنانِ اسلام کی طرف پھیر لیں، اور اس اخیر وقت میں اپنا رشتہ نہ توڑیں، آپ اللہ کے دین کی مدد اور اس کی سربلندی کی نیت کریں، اگر اللہ تعالےٰ سلطان کو صحت عطا فرماتا ہے، تو ہم اللہ سے کفار پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے ہیں، اور آپ کے نامۂ اعمال میں یہ سعادت لکھی جاتی ہے، اور اگر اللہ تعالےٰ کا کچھ اور فیصلہ ہے تو سلطان اپنی نیت کی برکت کے ساتھ دنیا سے جاتے ہیں۔

سلطان نے کہا اللہ تعالےٰ آپ کو اس بروقت تنبیہ اور مخلصانہ مشورہ پر جزائے خیر عطا فرمائے، اسی وقت حکم دیا کہ فوج کا رُخ بجائے مصر کے (جو الملک الکامل کی جانب تھا) تاتاریوں کی طرف کر دیا جائے، اور فوج اس مقام سے کوچ کر کے مقام قصیرہ میں پڑاؤ ڈالے، چنانچہ دن کے دن اس کی تعمیل ہوئی، اور لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ بادشاہ کا ارادہ اب تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا ہے۔

الملک الاشرف نے مزید نصیحت کی فرمائش کی، شیخ نے فرمایا کہ بادشاہ تو اس حال میں ہے، اور نائبینِ سلطنت اور اہل کارانِ حکومت رنگ رلیاں کر رہے ہیں، شراب کے دور چل رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے، نئے نئے محاصل اور ٹیکس مسلمانوں پر لگائے جا رہے ہیں، آپ کے لئے خدا کے حضور میں سب سے افضل عمل پیش کرنے کا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان سب گندگیوں کو دور کریں، یہ نئے نئے ٹیکس بند کریں، اور تمام ظالمانہ کارروائیاں روک دیں، اور اہل معاملہ کی دادرسی کریں، الملک الاشرف نے اسی وقت ان سب چیزوں کی ممانعت کے احکام جاری کئے، اور کہا کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اس دینی خدمت اور خیر خواہی پر تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے، اور اپنے لطف و کرم سے مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب فرمائے، اسی کے ساتھ ایک ہزار دینار مصری نذر کئے، شیخ نے قبول کرنے سے معذرت کی، اور فرمایا، کہ میری یہ ملاقات خالصۃً لوجہ اللہ تھی، میں اس میں دنیا کی کوئی آمیزش نہیں کرنا چاہتا۔

بادشاہ شام کے مقابلہ میں جرأت و استقامت

الملک الاشرف کے جانشین صالح اسمٰعیل (ابو الخبش) نے الملک الصالح نجم الدین ایوب بادشاہِ مصر کے مقابلہ میں (جس کے شام پر حملہ کا خطرہ تھا) فرنگیوں سے مدد چاہی، اور حق الخدمت کے طور پر شہر صیدا اور ثقیف اور چند قلعوں کا پروانہ لکھ دیا، اس دوستانہ تعلق کی بنا پر فرنگی اتنے بے تکلف ہوگئے کہ دمشق میں آکر ہتھیار خریدتے، شیخ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ فرنگی مسلمانوں کے شہر میں آکر ان سے ہتھیار خرید کر مسلمانوں کی گردنوں پر چلائیں، تاجرانِ اسلحہ نے شیخ سے فتویٰ پوچھا، شیخ نے صاف کہا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے اس لئے کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ تمہارے مسلمان بھائیوں کے خلاف کام آئیں گے، شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اس بے حمیتی اور اسلام کی اس ذلت و بے بسی کا بڑا اثر تھا، انھوں نے بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعا ترک کر دی، اس کے بجائے وہ منبر پر دونوں خطبوں سے فارغ ہو کر بڑے جوش کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ الٰہی!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور حامیان اسلام کی مدد اور نصرت فرما، اور ملحدین و دشمنانِ دین کو ذلّت و نکبت نصیب فرما، اور تمام مسلمان بڑی رقّت و اثر کے ساتھ آمین کہتے تھے، حکومتی آدمیوں نے بڑھا چڑھا کر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی شیخ کی گرفتاری کا فرمان صادر ہوا، شیخ ایک عرصہ تک محبوس رہے، کچھ عرصہ کے بعد وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کیے گئے۔

اسی اثناء میں سلطان صالح اسمٰعیل، الملک المنصور والی حمص، اور سلاطینِ فرنگ اپنی افواج و عساکر کے ساتھ مصر کے ارادہ سے بیت المقدس آئے، صالح اسمٰعیل کے دل میں شیخ عز الدین کی ناراضگی برابر کھٹکتی رہتی تھی، اور اس کو اس کی فکر تھی، اس نے اپنے عمائد و خواص میں سے ایک شخص کو اپنا رومال دیا، اور کہا کہ یہ رومال شیخ کی خدمت میں پیش کرنا، اور انتہائی خوشامد و استمالت کے ساتھ ان سے کہنا کہ سابقہ خدمات و مناصب پر آپ پورے اعزاز کے ساتھ واپس آسکتے ہیں، اگر وہ منظور فرمالیں تو میرے پاس لے آنا، اگر منظور نہ کریں تو میرے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں ان کو محبوس کردینا، امیر نے شیخ سے بڑی خوشامدانہ باتیں کیں، اور ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اور آخر میں کہا کہ آپ ذرا کے ذرا بادشاہ سے نیازمندانہ مل لیں، اور اس کی دست بوسی کرلیں، تو قصہ رفع دفع ہوجائے گا، اور آپ اضافہ و ترقی کے ساتھ اپنے سابقہ عہدوں پر واپس آجائیں گے، شیخ نے اس کا جو جواب دیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، انھوں نے فرمایا:۔

واللّٰہ یا مسکین ما ارضاہ ان یقبل یدی	اے نادان! میں تو اس کا بھی روادار نہیں کہ بادشاہ
فضلاً عن اقبل یدہ، یا قوم انتم فی واد	میرے ہاتھ کو بوسہ دے چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی
وانا فی واد والحمد للّٰہ الذی عافانی	کروں؟ لوگو! تم کسی اور عالم میں ہو، میں کسی اور عالم میں
مما ابتلاکم بہ۔ (طبقات الشافعیہ ۔ ج۵ ص۱۰۱)	خدا کا شکر ہے کہ میں اس سے آزاد ہوں جس میں تم گرفتار ہو۔

یہ جواب سن کر امیر نے کہا کہ پھر مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو گرفتار کرلوں، شیخ نے کہا شوق سے جو کچھ تم سے ہوسکے اس سے دریغ نہ کرو، امیر نے ان کو بادشاہ کے خیمہ کے پہلو میں دوسرے خیمہ میں رکھا، شیخ اپنے خیمہ میں قرآن مجید

پڑھتے رہتے تھے، اور بادشاہ اپنے خیمہ کے اندر سنتا تھا، ایک روز بادشاہ نے فرنگی بادشاہوں سے کہا کہ تم شیخ کو قرآن مجید پڑھتا ہوا سنتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! کہا جانتے ہو یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے (ھذا اکبر قسوس المسلمین) میں نے اس کو اس لئے قید کیا ہے کہ وہ تم کو مسلمانوں کے قلعہ سپرد کردینے کے خلاف تھا، اور اس پر معترض تھا، میں نے اس کو دمشق کی خطابت اور دوسرے منصبوں سے معزول کیا، اور اس کو دمشق سے شہر بدر کردیا، اب میں نے تمہاری خاطر پھر اس کو قید کردیا ہے، عیسائی بادشاہوں نے کہا کہ اگر یہ ہمارا پادری ہوتا تو ہم اس کے پاؤں دھو کے پیتے[1]۔

اسی عرصہ میں مصری افواج آئیں، صالح اسمٰعیل کو شکست ہوئی، فرنگی افواج قتل و غارت ہوئیں، اور شیخ صحیح و سلامت مصر روانہ ہوگئے۔

راستہ میں جب کرک کی ریاست سے گزرنا ہوا تو والیٔ کرک نے قیام کی درخواست کی، فرمایا کہ:۔

"تمہارا یہ مختصر شہر میرے علم کا متحمل نہیں ہوسکتا"

شیخ عز الدین مصر میں

مصر میں سلطان مصر الملک الصالح نجم الدین نے شیخ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، جامع عمرو ابن العاص کا خطیب مقرر کیا، اور الوجہ القبلی مصر کا عہدۂ قضا، اور ویران مساجد کی آبادی کا کام سپرد کیا، سلطان نے جب مدرسہ صالحیہ کی تعمیر کی، تو مذہب شافعی کی تعلیم شیخ عز الدین کے سپرد کی، اور انھوں نے پورے انہماک کے ساتھ تعلیم و اشاعتِ علم کا فرض انجام دیا، اور لوگوں کو بہت نفع ہوا۔

شیخ کی حق گوئی و بیباکی

اسی دوران میں ایک مرتبہ فخر الدین عثمان نے جو قصر شاہی کا مہتمم اور عملاً سلطنتِ مصر کا منتظم اعلیٰ تھا

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۰۱ بروایت شیخ شرف الدین عبد اللطیف فرزند شیخ عز الدین ابن عبد السلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصر کی ایک مسجد کی چھت پر طبل خانہ کی عمارت بنوائی اور وہاں طبل ونقارہ بجنے لگا، شیخ عزالدین کو جب اس واقعہ کی تحقیق ہوئی تو انھوں نے (بحیثیت قاضی اور مہتمم مساجد کے) اس عمارت کے انہدام کا حکم دے دیا اور اس جرم میں فخرالدین کو ساقط الشہادۃ قرار دیا، اور ساتھ ہی ساتھ عہدۂ قضا سے استعفاء دے دیا، اس کارروائی سے سلطان کی نگاہ میں شیخ کی منزلت کم نہیں ہوئی، مگر اس نے عہدۂ قضا پر شیخ کا دوبارہ تقرر نہیں کیا، ادھر شیخ کے فیصلوں کا اتنا احترام اور ان کا دینی نفوذ واثر اس قدر تھا کہ اسی زمانہ میں الملک الصالح سلطان مصر نے خلیفہ بغداد کی خدمت میں ایک سفارت بھیجی، جب سفیر کی باریابی ہوئی، اور اس نے سلطانِ مصر کا پیغام پہونچایا تو اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ پیغام تم نے خود سلطانِ مصر کی زبان سے سنا ہے، یا کسی کے واسطہ سے؟ اس نے کہا کہ میں نے یہ پیغام مہتمم قصر شاہی فخرالدین کی زبان سے سنا ہے، خلیفہ نے کہا کہ فخرالدین کی شہادت معتبر نہیں، اس کو شیخ عزالدین نے ساقط الشہادۃ قرار دیا ہے، اس لئے ہم اس کی روایت قبول نہیں کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفارت پھر مصر واپس آئی، اور براہِ راست سلطان سے پیغام سن کر بغداد واپس ہو کر خلیفہ کو پیغام پہونچایا۔

ان کی جرأت کا اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ عید کے دن قلعہ میں دربار شاہی تھا، بادشاہ اپنے تزک و احتشام کے ساتھ سریر آرا تھا، دو رویہ افواجِ شاہی دست بستہ کھڑی تھیں، امراء حاضر ہو ہو کر آداب و تسلیمات بجا لاتے تھے اور زمین بوس ہوتے تھے، اس بھرے دربار میں دفعۃً شیخ نے بادشاہ کو نام لے کر خطاب کیا، اور کہا کہ "ایوب! خدا کو تم کیا جواب دو گے جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مصر کی سلطنت اس لئے دی تھی کہ شراب آزادی سے پی جائے؟ بادشاہ نے کہا کیا یہ واقعہ ہے؟ شیخ نے بلند آواز سے فرمایا، ہاں فلاں میخانہ میں شراب آزادی سے بک رہی ہے اور دوسرے ناگفتنی کام ہو رہے ہیں، اور تم یہاں بیٹھے داد عیش دے رہے ہو، بادشاہ نے کہا کہ جناب والا مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، یہ میرے والد کے زمانہ سے ہو رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ "پھر تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو، جن کا جواب یہ ہوتا ہے، "إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ" (یہ ہمارے باپ دادا کے زمانہ سے چلا آیا ہے) سلطان نے فوراً اس شراب خانہ کی بندش کا حکم جاری کیا۔

شیخ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ دربار سے واپسی پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا واقعہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے بادشاہ کو جب اس شان و شوکت کے ساتھ اجلاس کرتا ہوا دیکھا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ منظر دیکھ کر اس پر تکبر کا حملہ ہو اور وہ اپنے نفس کا شکار ہو جائے، میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہ بات کہی، میں نے کہا کہ آپ کو کچھ خوف نہیں معلوم ہوا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال اس وقت ایسا مستحضر اور پیش نظر تھا کہ وہ مجھے اس کے مقابلہ میں ایک بلّے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔[1]

فرنگیوں سے جہاد

وہ زمانہ فرنگیوں کی ریشہ دوانیوں سے خالی نہ تھا، ایک مرتبہ فرنگی فوجیں منصورہ تک پہونچ گئیں، اور مسلمانوں پر انھوں نے غلبہ حاصل کر لیا، شیخ مسلمانوں کے ساتھ شریک جہاد تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو استجابتِ دعا کی نعمت عطا فرمائی تھی، ابن السبکی طبقات میں لکھتے ہیں کہ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، ہوا کا رُخ بدل گیا، فرنگیوں کے جہاز ٹوٹ گئے، اور اکثر فرنگی غرق ہوئے۔[2]

مصارفِ جہاد کے لئے شیخ کا انتظام

اس زمانہ میں تاتاری عالمِ اسلام پر جا بجا سے یورش کر رہے تھے، اسی اثناء میں انھوں نے مصر کا رخ کیا، تاتاریوں کی مسلمانوں پر جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، وہ ضرب المثل ہے، مصر میں سراسیمگی پھیل گئی، سلطان مصر اور اہل مصر کی ہمت مقابلہ کی نہیں ہوتی تھی، شیخ الاسلام نے ہمت دلائی، اور فرمایا کہ تم اللہ کا نام لے کر نکلو، میں فتح کی ضمانت کرتا ہوں، بادشاہ نے کہا کہ میرے خزانہ میں روپیہ کم ہے، میں تجار سے قرض لینا چاہتا ہوں، شیخ نے فرمایا کہ "پہلے اپنے محل کے جواہرات، اور اپنی بیگمات کے زیورات نکالو، ارکانِ سلطنت،

[1] طبقات الشافعیہ ص۸۴ [2] ایضاً ص۸۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورامرادربار اپنی اپنی بیگمات کے وہ زیورات حاضر کریں، جو حرام ہیں، اور اس کے سکے ڈھلوائے جائیں، اور وہ لشکر میں تقسیم ہوں، اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو قرض لیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے پہلے قرض کی کوئی ضرورت نہیں، شیخ کا اتنا رعب تھا کہ بادشاہ اور امراء سلطنت نے بے چون وچرا جواہرات وزیورات شیخ کے سامنے حاضر کردیئے، اوران سے جنگ کے مصارف پورے ہوگئے، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

امراء سلطنت کا نیلام

شیخ کی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز اور اہم واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ان امراء سلطنت کو نیلام کیا، جو ان کے نزدیک مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت تھے، اور شرعی طریقہ پر آزاد نہیں کئے گئے تھے، یہ امراء سلطنت نسلاً ترک تھے، اور سلطنتِ مصر پر بڑے حاوی تھے، ان میں سے ایک نائب السلطنت تھا، شیخ نے فتویٰ دیا کہ جب تک یہ امراء شرعی طریقہ پر آزاد نہ ہوں، ان کے معاملات شرعاً صحیح نہیں ہیں، اور وہ عالم غلاموں کے حکم میں ہیں، ان کے فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں احتیاط شروع کردی اور وہ بڑی دقت میں پڑگئے، یہ دیکھ کر ان امراء کے حلقہ میں بڑی برہمی اور تشویش پیدا ہوئی، انھوں نے ایک دن جمع ہوکر شیخ کو طلب کیا، اور کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں، شیخ نے فرمایا کہ ہم ایک مجلس طلب کریں گے، اور بیت المال کی طرف سے آپ کا نیلام کریں گے، اور شرعی طریقہ پر آپ کو آزادی کا پروانہ دیا جائے گا، انھوں نے سلطان سے عرض کیا کہ شیخ ہم کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں، اور سربازار نیلام کرنے کو کہتے ہیں، بادشاہ نے شیخ کو راضی کرنا چاہا، مگر انھوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا، اس گفت وشنید میں بادشاہ کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا، جو شیخ کے خلاف شان تھا، بادشاہ نے اس کا بھی اظہار کیا کہ شیخ کو اس معاملہ سے کیا تعلق، اور وہ امراء کے قضیہ میں کیوں پڑتے ہیں، شیخ یہ سن کر ناراض ہوئے، اور انھوں نے مصر سے چلے جانے کا عزم کرلیا، اپنا سامان جانور پر بار کیا، اور گھر والوں کو سوار کیا، اور روانہ ہوگئے، ان کی روانگی

کی خبر سن کر قاہرہ میں کھلبلی مچ گئی، شہر کی مسلمان آبادی کا بڑا حصہ ان کے پیچھے ہولیا، علماء، صلحاء، تجار، سب ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئے، سلطان کو اطلاع ہوئی اور کسی نے اس سے کہا کہ شیخ عزالدین چلے گئے تو تمھاری سلطنت جاتی رہے گی، سلطان خود سوار ہوکر ان کے پاس پہنچا، اور ان کو منا کر شہر واپس لایا اور طے ہوا کہ امراء سلطنت کا وہ خود نیلام کریں، یہ سن کر نائب السلطنت نے بڑے خوشامدانہ لہجہ میں ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا، لیکن وہ اپنی رائے پر قائم رہے، نائب کو غصہ آگیا، اس نے کہا کہ یہ شیخ کیسے ہمارا نیلام کرے گا، ہم ملک کے حاکم ہیں؟ خدا کی قسم! میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا، چنانچہ وہ اپنے عملہ کے ساتھ سوار ہوکر شیخ کے دروازہ پر پہنچا، ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، دروازہ کھٹکھٹایا، شیخ کے صاحبزادہ باہر نکلے تو یہ حال دیکھا کہ نائب السلطنت شمشیر برہنہ لئے دروازہ پر کھڑا ہے، انھوں نے اندر جاکر شیخ سے یہ حال کہا، شیخ نے بڑی ہی بے پروائی سے جواب دیا کہ "بیٹا! تمہارے والد کا یہ رتبہ کہاں کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہو" یہ کہہ کر وہ باہر نکلے، ان کا نکلنا تھا کہ تلوار نائب السلطنت کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کے جسم پر رعشہ طاری ہوگیا، اس نے رو کر شیخ سے دعا کی درخواست کی، اور کہا کہ میرے آقا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں، فرمایا "میں تمہارا نیلام کروں گا" اور تمہیں فروخت کروں گا" اس نے کہا کہ "ہماری قیمت آپ کس مد میں صرف کریں گے"؟ فرمایا! مسلمانوں کے کاموں میں" اس نے عرض کیا کہ "قیمت وصول کون کرے گا"، فرمایا "میں خود" اس نے کہا "بہت اچھا" چنانچہ شیخ نے ایک ایک کرکے سب امراء کو نیلام کیا، ہر ایک پر بولی بولی گئی، شیخ نے (ان کے اعزاز کے طور پر) ان کے دام بہت لگائے، اور بہت بڑی بولی پر ان کو فروخت کیا، اور قیمت وصول کرکے خیر کے کاموں میں صرف کی، اور وہ آزاد ہوکر اپنے اپنے گھر گئے،[1] ابن السبکی لکھتے ہیں کہ "یہ واقعہ کسی اور کے متعلق سننے میں نہیں آیا" ایک عالم کی عظمت اور اس کے رعب وداب کی یہ انتہائی مثال ہے۔

شیخ عزالدین اور سلاطین مصر

مصر میں شیخ کی زندگی میں بڑے انقلابات آئے، وہ مصر آئے تھے تو ایوبی سلطنت کا زمانہ تھا، اور

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۸۴، ۸۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاح الدین کا خاندان حکومت کر رہا تھا ان کی زندگی ہی میں یہ خاندان ختم ہوا، الملک الصالح نجم الدین ایوب کے جانشین الملک المعظم توران شاہ کے بعد ترکی النسل امراء کا دورِ حکومت آیا، وہ سب شیخ کے قدردان اور نیاز مند رہے، اور ان کی تعظیم و تکریم اور بزرگداشت میں کوئی کمی نہیں آئی، خصوصیت کے ساتھ مصر کا نامور ترک سلطان الملک الظاہر بیبرس، شیخ کا بڑا ادب شناس، اور ان کی شخصیت سے متاثر تھا، شیخ ہی کے مشورہ سے سقوطِ بغداد اور سلطنتِ عباسیہ کے اختتام پر سلطان نے بغداد کے آخری خلیفہ مستعصم کے چچا ابو القاسم احمد کو جن کا لقب المستنصر ہے، ۶۵۹ھ/۱۲۶۱ء میں مصر میں اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا، پہلے شیخ عزالدین نے بیعت کی، پھر الملک الظاہر بیبرس نے، پھر قاضی القضاۃ تاج الدین وغیرہ نے۔[1]

مکارمِ اخلاق

شیخ اپنے علم و فضل، وقار و ہیبت کے ساتھ بڑے کریم النفس، فیاض اور مخیر تھے، قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ ناقل ہیں کہ دمشق کے زمانۂ قیام میں ایک سال بڑی گرانی کا آیا، باغات کے دام بہت گر گئے، اور بہت سستے بکنے لگے، شیخ کی اہلیہ محترمہ نے ان کو ایک زیور دیا کہ گرمی گزارنے کے لئے ایک باغ خرید لیں، انھوں نے وہ زیور فروخت کر کے ساری قیمت خیرات کر دی، اہلیہ نے پوچھا کہ آپ نے باغ خرید لیا؟ فرمایا کہ "ہاں! مگر جنت میں، میں نے دیکھا کہ لوگ بڑی عسرت اور تکلیف میں ہیں، میں نے اس کی قیمت ان پریشان حال لوگوں پر صرف کر دی، انھوں نے فرمایا، جزاک اللہ"۔

قاضی القضاۃ موصوف یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ شیخ تنگ حالی کے باوجود بڑے فراخ دست اور مخیر تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات ان کے پاس کچھ دینے کو نہ ہوتا تو اپنا عمامہ چیر کر اس کا ایک ٹکڑا دے دیتے۔

شیخ عزالدین صرف سلاطین ہی کے مقابلہ میں جری اور حق گو نہ تھے، بلکہ اپنے نفس کے معاملہ میں بھی

۱ حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۹

اسی طرح بیباک اور حق شناس تھے، ابن السبکی اور سیوطی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مصر کے زمانۂ قیام میں ان سے ایک فتویٰ میں غلطی ہو گئی تو انھوں نے اعلان کروا دیا کہ جس کو ابن عبدالسلام نے فلاں فتویٰ دیا ہو، وہ اس پر عمل نہ کرے اس لئے کہ وہ غلط ہے۔[1]

ابن السبکی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علومِ ظاہری کے کمالات کے ساتھ دولتِ باطنی سے بھی مالا مال تھے، اگرچہ ان کے ایمان و یقین، اعتماد علی اللہ، بےخوفی و شجاعت، اربابِ دنیا کی بے وقعتی کے واقعات خود اس پر دلیل ہیں، لیکن ابن السبکی نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ انھوں نے امام طریقت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے استفادہ کیا تھا، اور ان کی طرف سے ارشاد و تربیت کے لئے مجاز تھے[2]، سیوطی نے شیخ ابو الحسن شاذلیؒ سے بھی ملاقات و استفادہ کا ذکر کیا ہے۔[3]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارہ میں شیخ کا مسلک

شیخ علمی و نظری طور پر بھی اس کے قائل تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بدعات اور گمراہیوں کی علانیہ مخالفت و انکار علماء کا فریضہ ہے، اور اس سلسلہ میں ان کو خطرات اور شدائد بھی برداشت کرنے چاہئیں، اور ہر طرح کے مصائب کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

الملک الاشرف کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

وبعد ذلك فانا نزعم انا من جملة	ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے
حزب الله وانصار دينه وجنده	ہیں اور اس کے دین کے مددگار اور اس کا لشکر
وكل جندي لا يخاطر بنفسه فليس	ہیں، وہ لشکری جو اپنے کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے
بجندي۔[4]	تیار نہ ہو، وہ لشکری نہیں ہے۔

۱ حسن المحاضرہ ص ۱۴۲ ۲ طبقات ج ۵ ص ۸۳ ۳ حسن المحاضرہ ص ۱۴۲ ۴ طبقات ج ۵ ص ۹۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا خیال تھا کہ علم وزبان علماء کا ہتھیار ہیں، اس لئے ان کا جہاد یہ ہے کہ وہ ان دونوں کو حق کی تائید اور باطل کی مخالفت میں کام میں لائیں، ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :۔

قد امرنا الله بالجهاد في نصرة دينه، الا ان سلاح العالم علمه ولسانه كما ان سلاح الملك سيفه وسنانه، فكما لا يجوز للملوك اغماد اسلحتهم عن الملحدين والمشركين لا يجوز للعلماء اغماد السنتهم عن الزائغين والمبتدعين۔[1]

اللہ تعالے نے ہم کو اپنے دین کی مدد کے لئے جہاد و جد وجہد کا حکم دیا ہے، اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ عالم کا ہتھیار اس کا علم اور اس کی زبان ہے جیسا کہ بادشاہ کا ہتھیار اس کی تلوار اور تیر وسنان ہے تو جس طرح بادشاہوں کے لئے اپنے ہتھیاروں کو نیام میں رکھنا جائز نہیں، اسی طرح علماء کے لئے اہلِ زیغ وضلال اور مبتدعین سے اپنی زبان کو بند کرنا جائز نہیں۔

ان کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں عالم ربانی کو ہر طرح کے خطرات برداشت کرنا چاہئیں گویا ان کو ان علماء سے اتفاق نہیں ہے، جو ہر طرح کے خطرہ میں پڑنے کو مطلقاً ناجائز سمجھتے ہیں اور آیت "وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" سے غلط اور بے محل استدلال کرتے ہیں، اسی خط میں بڑے موثر انداز میں فرماتے ہیں :۔

والمخاطرة بالنفوس مشروعة في اعزاز الدين، ولذلك يجوز للبطل من المسلمين ان ينغمر في صفوف المشركين وكذلك المخاطرة بالامر بالمعروف والنهي عن المنكر ونصرة قواعد الدين بالحجج والبراهين

دین کے اعزاز وغلبہ کے لئے جانوں کو خطرہ میں ڈالنا دین میں مشروع ہے اسی لئے مسلمان شہ زور کے لئے جائز ہے کہ مشرکین کی صفوں میں گھس جائے، اسی طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اپنے کو خطرہ میں ڈالنا اور اصول دین کی دلائل وبراہین کے ذریعہ تقویت مشروع ہے

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۲۰-۹

مشروعة فمن خشي على نفسه سقط عنه الوجوب وبقي الاستحباب ومن قال بان التغرير بالنفوس لا يجوز فقد بعد عن الحق ونأى عن الصواب وعلى الجملة فمن آثر الله على نفسه آثره الله ومن طلب رضا الله بما يسخط الناس رضي الله عنه وارضى عنه الناس ومن طلب رضا الناس بما يسخط الله سخط الله عليه وأسخط عليه الناس وفي رضا الله كفاية عن رضا كل احد۔ (طبقات ج ۵ ص ۱۹)

البتہ جس کو اپنی جان کا خطرہ ہو اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا، اور استحباب باقی رہے گا، جس کا خیال ہے کہ جان کو خطرہ میں ڈالنا جائز ہی نہیں، وہ حق سے بہت دور ہو گیا، اور اس کا یہ خیال بالکل صحیح نہیں، خلاصہ یہ کہ جو اللہ کو اپنے نفس پر ترجیح دے گا، اللہ اس کو دوسروں پر ترجیح دے گا، اور جو لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ اس سے خود بھی راضی ہو جائے گا، اور لوگوں کو راضی کر دے گا، اور جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ اس سے ناراض ہوگا، اور لوگوں کو بھی ناراض کر دے گا۔

عرب شاعر نے خوب کہا ہے :۔

فليتك تحلو والحياة مريرة ولیتک ترضى والانام غضاب

(کاش کہ آپ کی محبت کی حلاوت مجھے حاصل ہو جاتی، پھر چاہے زندگی کتنی ہی تلخ ہوتی، اور کاش کہ آپ مجھ سے راضی ہو جاتے، چاہے ساری دنیا ناراض ہوتی۔)

ان کی زندگی بتلاتی ہے کہ انھوں نے ساری عمر اپنے اس عقیدہ اور مسلک پر عمل کیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اور اپنے نزدیک کسی غلط اور خلافِ شرع چیز کی تردید میں اپنی جان مال آبرو وطن وعہدہ کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

شیخ کی تصنیفات

شیخ جس طرح کامیاب مدرس، وسیع النظر فقیہ اور متبحر مفتی تھے، اسی طرح کہنہ مشق مصنف بھی تھے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی تصنیفات میں "القواعد الکبریٰ" اور کتاب "مجاز القرآن" خاص وقعت رکھتی ہے، ابن السبکی لکھتے ہیں:

وھذان الکتابان شاھدان بامامتہ	یہ دونوں کتابیں ان کی امامت اور علوم شریعت
وعظیم منزلتہ فی علوم الشریعۃ۔[1]	میں ان کے علو منزلت پر شاہد ہیں۔

ان دونوں کتابوں کا انھوں نے دو الگ کتابوں میں اختصار کیا ہے، ابن السبکی نے ان کی دو اور کتابوں "شجرۃ المعارف" اور "الدلائل المتعلقۃ بالملائکۃ والانس علیہم السلام" کی بھی خصوصی تعریف کی ہے، ان کی ایک کتاب "مقاصد الصلاۃ" خود ان کے زمانہ میں بڑی مقبول ہوئی، اور لوگوں نے اس کی ہزاروں نقلیں کیں،[2] چھوٹی بڑی تصنیفات کے علاوہ ان کے فتاویٰ کا ضخیم مجموعہ ہے، جو فقہ شافعی کا قیمتی ذخیرہ ہے۔

امام غزالیؒ کے بعد شیخ عزالدین غالباً دوسرے عالم اور مصنف ہیں جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ احکام شرعیہ کے مقاصد و لطائف پر گفتگو کی، اور شریعت کے اسرار و نکات بیان کئے، اس موضوع کے سب سے بڑے مصنف شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی نے "حجۃ اللہ البالغہ" کے مقدمہ میں اس موضوع کے پیش رو مصنفین میں تین بزرگوں حجۃ الاسلام غزالی، ابو سلیمان خطابی اور شیخ الاسلام عزالدین کا نام لیا ہے۔[3]

شیخ کی وفات

۹ جمادی الاولیٰ ۶۶۰ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں شیخ کی وفات ہوئی، یہ الملک الظاہر بیبرس کا عہد حکومت تھا، اس کو شیخ کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا، کہتا تھا کہ خدا کی شان ہے، شیخ کی وفات میرے عہد حکومت ہی میں مقدر تھی، جنازہ میں امراء دربار، ارکانِ سلطنت اور افواجِ شاہی شریک تھیں، سلطان نے خود کاندھا دیا، اور دفن میں شریک ہوا۔
شیخ کا جنازہ جب قلعہ کے نیچے سے گزرا اور سلطان نے خلقت کا ازدحام دیکھا تو اپنے خواص میں سے کسی سے کہا کہ آج میں سمجھتا ہوں کہ میری سلطنت مضبوط ہوئی ہے، اس لئے کہ یہ شخص جو مرجع خلائق ہے اگر اشارہ کر دیتا تو میری سلطنت چلی جاتی، اس کے انتقال کے بعد مجھے اب اپنی سلطنت کی طرف سے اطمینان ہوا ہے۔[4]

۱؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۵ ص۱۰۳ ۲؎ ایضاً ج۵ ص۹۸ ۳؎ حجۃ اللہ البالغہ ص۵ مطبع صدیقی ۴؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۵ ص۸۴

فتنۂ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش

تاتاری حملے اور اس کے اسباب

ساتویں صدی میں عالم اسلام کو وہ حادثہ پیش آیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی، اور جو قریب تھا کہ اس کی ہستی کو فنا کر دے، یہ تاتاری غارتگروں کا حملہ تھا، جو مور و ملخ کی طرح مشرق سے بڑھے، اور سارے عالم اسلام پر چھا گئے۔

اس منحوس واقعہ کا سبب سلطانِ وقت علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی بظاہر ایک غلطی اور بے تدبیری تھی کہ اس نے پہلے ان تاتاری تاجروں کو قتل کرا دیا جو اس کے ملک میں تجارت کے لئے آئے تھے، پھر جب چنگیز خان نے اس کا سبب دریافت کرنے کے لئے ایک سفارت بھیجی تو خوارزم شاہ نے سفیر کو بھی قتل کرا دیا، اس پر تاتاری خاقان چنگیز خان نے برافروختہ ہو کر خوارزم شاہی سلطنت اور پھر پورے عالم اسلام پر حملہ کر دیا۔

لیکن قرآن مجید میں اعمال و اخلاق کے نتائج اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کا جو ابدی اور عالمگیر قانون بتایا گیا ہے، اور خاص طور پر سورۂ اسرا کی ابتدا میں بنی اسرائیل کی تباہی، قتل عام و نکبت و ذلت، اور بیت المقدس کی تخریب و بے حرمتی کی جو داستانِ عبرت سنائی گئی ہے،[1] اس کی روشنی میں اس فتنۂ عالم آشوب

۱؎ اس موقع پر سورۂ اسرا کی آیات "وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا" سے "وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا" تک آیات پر غور کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس وقت کی دنیائے اسلام کی اس قیامتِ صغریٰ کا حقیقی سبب صرف اتنا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک بادشاہ نے کوتاہ نظری و بے تدبیری سے کام لیا، اور اچانک یہ سیلاب عالم اسلام پر امنڈ پڑا، اور ایک فرد کی غلطی سے ساری ملت اسلامیہ کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا، جس کے لئے نہ وہ تیار تھی، نہ اس کی مستحق، قرآن مجید کا چراغ اگر ہاتھ میں لے کر اس وقت کے مسلمانوں کی اخلاقی، دینی، تمدّنی اور سیاسی حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ یہ منحوس واقعہ اچانک پیش نہیں آیا، اور اس کے اسباب اس سے کہیں زیادہ وسیع، گہرے اور ٹھوس ہیں، جتنے سمجھے اور بیان کئے گئے ہیں، اس کے لئے ہم کو کئی سال پیچھے ہٹ کر اپنا کام شروع کرنا پڑے گا، اور اس وقت کی اسلامی سلطنتوں، اہم ترین تمدّنی مراکز اور اسلامی معاشرہ پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنی ہوگی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات (۵۸۹ھ) پر اس کی وسیع و زرخیز سلطنت اس کی اولاد و خاندان کے افراد میں تقسیم ہوگئی، دنیا کے بہت سے بانیانِ سلطنت اور اولو العزم فرمانرواؤں کی طرح[1] اس کی اولاد اس کی صلاحیتوں کی وارث اور اس کی صحیح جانشین ثابت نہ ہوسکی، عرصہ تک وہ ایک دوسرے سے دست و گریبان اور برسرِ پیکار رہے، بعض اوقات ان میں سے بعض افراد نے اپنے ہی بھائیوں اور افرادِ خاندان کے خلاف صلیبی فرمانرواؤں اور فرنگی حریفوں سے بھی مدد لینے اور ان سے سازباز کرنے سے بھی احتراز نہیں کیا، جس کا ایک نمونہ شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السلام کے تذکرہ میں گذر چکا ہے، اس طوائف الملوکی خاندانی رقابتوں اور خانہ جنگیوں سے سلطنت کے زیر فرماں ممالک میں سیاسی انتشار، انتظامی ابتری اور اخلاقی زوال رُونما تھا، لوگ ایک بے یقینی کی فضا میں زندگی گزار رہے تھے، صلیبیوں اور فرنگیوں کی باربار ان اسلامی شہروں پر تاخت ہوتی رہتی تھی، جن کو سلطان صلاح الدین نے بڑی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد واپس لیا تھا، انتظامی و اخلاقی دونوں طرح کی کوتاہیوں اور بے راہ روی کا نتیجہ وباؤں، امراض اور شدید قحط کی شکل

[1] ہندوستان میں عالمگیر اعظم اور اس کے جانشینوں کی مثال ہمارے لئے کافی ہے۔

میں رونما ہوا، اور مصر جیسے زرخیز ملک میں جو دوسرے ملکوں کا بھی پیٹ بھر سکتا تھا، ۵۹۶ھ میں جبکہ چچا بھتیجے الملک العادل اور الملک الافضل کی خانہ جنگی نے مصر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، دریائے نیل میں طغیانی نہیں آئی اور مصر میں ایسی گرانی رونما ہوئی، اور ایسا شدید قحط پڑا کہ آدمی نے آدمی کو بھون کر کھایا، موت کی ایسی گرم بازاری تھی کہ مردوں کو کفن دینا ممکن نہ تھا، مورخ ابو شامہ کے بیان کے مطابق تنہا الملک العادل (سلطان مصر) نے صرف ایک مہینہ میں دو لاکھ بیس ہزار مردوں کو اپنے ذاتی مال سے کفن دیا، کتوں اور مردوں کے کھانے کی نوبت آگئی، بہت بڑی تعداد میں بچے بھون بھون کر کھالئے گئے، اور اس کی ایسی عمومیت ہوئی کہ اس میں لوگوں کو کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی تھی، مؤرخ ابن کثیر کے بیان کے مطابق جب کھانے کے لئے بچے اور چھوٹی عمر کے لڑکے نہیں رہے تو جس آدمی کا جس آدمی پر زور چلا، اس نے اس کو بھون کر کھالیا،[1] سنت اللہ کے مطابق آسمانی تنبیہات کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور ایسے غیر معمولی واقعات پیش آرہے تھے، جو توبہ، انابت اور اصلاحِ حال کا خیال و جذبہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھے، چنانچہ اسی ۵۹۶ھ میں ایک عظیم زلزلہ آیا، جس کی زد میں خاص طور پر ملکِ شام، بلادِ روم اور عراق تھے، اس کی ہلاکت آفرینی اور دہشت انگیزی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تنہا شہرِ نابلس اور اس کے اطراف میں بیس ہزار انسان زلزلہ میں دب کر مرگئے "مرأة الزمان" کے مصنف کا بیان ہے (جو شدید مبالغہ سے خالی نہیں ہے) کہ اس زلزلہ کا شکار گیارہ لاکھ انسان ہوئے۔

اِدھر یہ غیر معمولی حوادث پیش آرہے تھے، جو مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے بالکل کافی تھے، اُدھر عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں خانہ جنگی اور برادر کشی کا سلسلہ جاری تھا، ۶۰۱ھ میں ایک ہی خاندان کے دو افراد قتادہ حسینی امیر مکہ اور سالم حسینی امیر مدینہ میں سخت جنگ ہوئی، ۶۰۳ھ میں غوریوں اور خوارزم شاہیوں کی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور مسلمانوں نے مسلمان کا خون بہایا، اِدھر یہ ہورہا تھا، اُدھر (۶۰۴ھ) میں فرنگیوں نے شام کے مختلف علاقوں پر حملے شروع کئے،

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "البدایۃ والنہایۃ" ج ۱۳ ص ۲۶ حوادث ۵۹۶ھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۰۰ھ میں جزیرہ[1] کے مسلمان حکام نے فرنگیوں سے سازش کی[2] اور ۶۱۶ھ میں فرنگیوں نے مصر کے شہر دمیاط پر قبضہ کر لیا، جو فوجی و دفاعی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

ادھر مرکز خلافت دار السلام بغداد میں سلطنت کی ظاہری شان و شوکت، عجمی تکلفات اور دولت و تمدن کے کھوکھلے مظاہر اپنے نقطۂ عروج کو پہونچ گئے تھے، خلفاء کے منظورِ نظر مصاحبین اور معتمدین کی دولت (جو غلام کی حیثیت سے حریمِ خلافت میں داخل ہوتے تھے، اور فراش، ساقی، مہتمم توشک خانہ وغیرہ کے منصبوں پر فائز تھے) کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ الظاہر کے زرخرید علاء الدین الطبرسی الظاہری کی سالانہ آمدنی جو اس کو اپنی نئی جائداد سے حاصل ہوئی تھی، تین لاکھ دینار تھی، بغداد میں اس کے محل کی کوئی نظیر نہ تھی، یہی حال مجاہد الدین ایبک الدویدار المستنصری کی دولت کا تھا، ان لوگوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی میں جو جہیز دیا، اور جو تحائف تقسیم کئے، ان کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، آخر الذکر کی جاگیر کی آمدنی پانچ لاکھ دینار سالانہ تھی، یہی حال الصلاح عبد الغنی بن فاخر فراش کا تھا، جو زیورِ علم سے عاری، لیکن شاہانہ معیار کی زندگی گزارتا تھا، اس کے مقابلہ میں سلطنت عباسیہ کے سب سے بڑے مدرسہ المستنصریہ کے لائق اساتذہ کی تنخواہیں اتنی حقیر تھیں کہ اس کا یقین کرنا مشکل ہے، ان میں سے بڑے بڑے استاذ کو ۱۲ دینار ماہوار سے زیادہ نہیں ملتے تھے، جب کہ اس کے مقابلہ میں عہد عباسی کے ایک امیر الشرابی کے ایک خادم نے چار ہزار دینار ایک امیر کی شادی میں لٹائے، اور تین ہزار دینار شرابی کی طرف سے ایک پرندہ کی قیمت میں جو اس کے لئے تحفہ میں موصل سے لایا گیا تھا، ادا کئے گئے۔[3]

شان و شوکت کے اظہار کے لئے عید اور جانشینی کے موقع پر جو شاہانہ جلوس بغداد میں نکلتے تھے سارا شہر

---

[1] جزیرہ سے مراد وہ علاقہ ہے، جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے، اس کو بلاد ما بین النہرین بھی کہتے ہیں، اس کا مغربی شمالی حصہ "الجزیرہ" کے نام سے مشہور ہے، اور جنوبی مشرقی حصہ عراق کے نام سے مشہور ہے۔ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۵۹

[3] یہ سب معلومات اس عہد کی معاصر تاریخوں "الحوادث الجامعہ" اور "العسجد المسبوک" سے ماخوذ ہیں۔

ان میں شرکت کرنے، ان کا تماشا دیکھنے میں محو اور خود فراموش ہو جاتا تھا، نمود و نمائش کے ماسوا جس طرح بے تکلف دینی فرائض ان میں نظر انداز ہوتے تھے اور نمازیں قضا ہوتی تھیں، اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ ۶۴۰ھ کے عید کے موقع پر جو شاہی جلوس نکلا، وہ رات کو جا کر ختم ہوا، اس کی ایسی مشغولیت اور محویت رہی کہ لوگوں نے اس دن عید کی نماز نصف شب سے پہلے قضا کر کے پڑھی[1] اسی طرح ۶۴۴ھ کی عید الاضحیٰ کو اہلِ بغداد شہر کے باہر خلیفہ کا شاہی جلوس دیکھنے نکلے، اور نماز عید انھوں نے غروبِ آفتاب کے وقت پڑھی۔

خلیفہ کے لئے زمین بوسی کا عام رواج تھا، اسی طرح سے آستانہ بوسی اور زمین پر ناک رکھنے کا بھی دستور تھا، اور اس میں کسی کو کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی تھی، جائدادوں کی ضبطی کے واقعات بکثرت پیش آتے تھے، رشوت کی گرم بازاری تھی، باطنیوں، عیاروں اور ٹھگوں کی سرگرمی تیز ہو گئی تھی، اخلاقی بے راہ روی بہت بڑھ گئی تھی، دل بہلانے والے مشاغل کا زور تھا، مغنیات کی کثرت تھی، اور دولت جمع کرنے کا شوق حد سے فزوں تھا۔[2]

یہ وہ زمانہ تھا کہ تاتاری، ایران و ترکستان کو تہ و بالا کر رہے تھے، اور اسلام کے سب سے بڑے قلعہ بغداد پر ان کی نگاہیں تھیں، مورخ ابن کثیر ۶۲۶ھ کے آغاز کی ان الفاظ کے ساتھ خبر دیتا ہے کہ "اس سن ہجری کی ابتدا اس شان سے ہوئی کہ سلاطین بنی ایوب (سلطان صلاح الدین کے خاندان کے بادشاہ) ایک دوسرے سے نبرد آزما اور برسر پیکار ہیں" دار الخلافت بغداد میں کچھ ایسا انتشار برپا رہا کہ ۶۴۰ھ سے ۶۴۳ھ تک خلفاء اسلام کے قدیم و مسلسل معمول کے خلاف خلیفہ کی طرف سے نہ حج کا انتظام ہوا، اور نہ غلاف کعبہ بدلا گیا، ۲۱ دن تک بیت اللہ شریف کی دیواریں بالکل کھلی رہیں، لوگوں نے اس سے بدشگونی لی۔

۵۷۵ھ میں الناصر لدین اللہ تخت خلافت پر بیٹھا، اس کو چھیالیس سال سے زیادہ مسلسل خلافت و حکومت کا موقع ملا، یہ اتنی طویل مدت ہے، جو کسی عباسی خلیفہ کو بھی نصیب نہیں ہوئی، لیکن اس کا دور خلافتِ عباسیہ کا تاریک ترین دور تھا، مورخین نے بڑے سخت الفاظ میں اس پر تنقید اور اس کے اعمال و اخلاق کی

---

[1] الحوادث الجامعہ، واقعات ۶۴۰ھ [2] ملاحظہ ہو مضمون "عصر الشرابی ببغداد" از ناجی معروف رسالہ "الاقلام" بغداد محرم ۱۳۸۶ھ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذمت کی ہے، مورخ ابن اثیر نے ان لفظوں میں اس کو یاد کیا ہے۔

"رعیت کے ساتھ اس کا سلوک نہایت خراب اور ظالمانہ تھا، اس کے زمانہ میں عراق کا ملک ویران ہوگیا، ملک کے باشندے مختلف شہروں اور ملکوں میں متفرق و آوارہ ہوگئے، اس نے اُن کی جائدادیں اور دولتیں ضبط کرلیں، اس کے کاموں میں بڑا تضاد تھا، آج ایک بات کرتا تھا، کل اس کے خلاف، اس کو تمام تر دلچسپی تفریحی مشاغل سے تھی، اس نے جوانمردی و سپہ گری کے لئے ایک خاص وردی ایجاد کی، صرف اس وردی والوں کے لئے مردانہ کھیلوں اور فنون سپہ گری کے مظاہرہ کی اجازت تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مردانہ کمالات اور فنون سپہ گری کا عراق سے خاتمہ ہوگیا، خلیفہ کی شیفتگی ان تفریحات سے حد کو پہونچ گئی، اہل ایران کا بیان ہے کہ اسی نے سب پہلے تاتاریوں کو اسلامی قلمرو پر حملہ کرنے کی طرف متوجہ کیا،[1] اور ان کے پاس پیام بھیجا"[2]

۶۲۳ھ میں الناصر لدین اللہ کی وفات ہوئی، اور مستنصر باللہ (۶۲۳-۶۴۰ھ) اس کا جانشین ہوا، یہ خلیفہ دیندار، پاکباز، نیک سیرت، پاکیزہ خصائل اور بہت سے اوصاف و خصوصیات میں خلفاء صالحین کی یادگار تھا،[3] لیکن افسوس ہے کہ اس کو انتظام و اصلاح کے لئے زیادہ مدت نہ مل سکی، ۶۴۰ھ میں اس کی وفات پر اس کا فرزند مستعصم باللہ خلیفہ ہوا، مستعصم ایک صحیح العقیدہ، دیندار، محتاط خلیفہ تھا، جو کبھی مسکرات و محرمات کے قریب نہیں گیا، ہر مہینہ دوشنبہ اور جمعرات اور ماہ رجب کے روزے رکھتا تھا، قرآن کا حافظ تھا، وقت پر نماز پڑھنے کا شدت سے پابند تھا، لیکن مؤرخ ابن اثیر کے قول کے مطابق طبیعت میں ضرورت سے زیادہ نرمی اور بیدار مغزی کی کمی تھی، دولت کے معاملہ میں کسی قدر حریص اور بخیل واقع ہوا تھا۔

۶۴۲ھ میں ابن العلقمی کے نام خلافتِ عباسیہ کی وزارت عظمیٰ کا قرعۂ فال نکلا،[4] خلافت کے نظم و نسق میں اس وقت سے بڑی برہمی پیدا ہوئی، جب ۶۵۵ھ میں بغداد میں شیعہ سنی کا زبردست جھگڑا ہوا،

---

[1] خوارزمی سلطنت کا زور توڑنے کے لئے جس سے خلیفہ بغداد کے تعلقات خراب تھے، [2] تاریخ الکامل ج ۱۲ ص ۱۸۱۔

[3] ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۱۵۹ [4] پورا نام مؤید الدین ابو طالب محمد بن احمد بن علی محمد العلقمی ہے۔

شیعوں کے مکانات یہاں تک کہ ابن العلقمی کے عزیزوں کے مکانات تک لوٹ لئے گئے،[1] ان واقعات سے ان کے دل میں بد دلی کا پیدا ہونا اور جذبۂ انتقام کا اُبھرنا بعید از قیاس نہیں، اس وقت اگرچہ تاتاری خطرہ بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا، اور تاتاری فوجیں بغداد کی طرف بڑھ رہی تھیں، وزیر ابن العلقمی کی ہدایت اور حکم سے بغداد کی افواج میں زبردست تخفیف کی گئی، سواروں کی تعداد گھٹا کر دس ہزار کردی گئی، بقیہ سپاہیوں کو رخصت کردیا گیا، اور ان کے منصب روک لئے گئے یہاں تک کہ ان کو بازاروں اور مسجدوں کے دروازوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا، شعراء نے اسلام کی کسمپرسی پر مرثیے کہے۔[2]

مستعصم اگرچہ ذاتی طور پر نیک سیرت اور نیک خیال خلیفہ تھا، اور اصلاح و ترقی کا خواہشمند بھی تھا، لیکن زمانہ کا فساد، معاشرہ کا انتشار اور اہل حکومت کا بگاڑ اس حد کو پہونچ گیا تھا کہ اس کو روکنے اور حکومت و معاشرہ میں اصلاح کی نئی روح پھونکنے اور اس کو نئی زندگی عطا کرنے کے لئے ایسے اولوالعزم اور طاقتور شخصیت رکھنے والے افراد کی ضرورت تھی، جو عام طور پر تاریخ میں نئی سلطنتوں کے بانی اور نئے عہد کے فاتح ثابت ہوئے ہیں، یہ واقعہ تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے کہ اکثر حکمراں خاندانوں کے آخری افراد اور کسی زوال پذیر سلطنت کا آخری فرمانروا اپنی ذات سے صلاحیت شعار، اصلاح پسند اور نیک سیرت تھا، لیکن اس خاندان یا اس سلسلۂ سلطنت کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا اور فساد بڑھتے بڑھتے اس آخری نقطہ پر پہونچ چکا تھا کہ اب اس کو آخری منزل پر پہونچنے اور اس کے قدرتی نتائج کے ظاہر ہونے سے بظاہر کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی، چنانچہ اس خاندان اور حکومت کا زوال تاریخ میں اسی شخص کے نام لکھا گیا، جو اپنے بہت سے پیشروؤں سے بہتر تھا، اور بہت حد تک اصلاح حال کا خواہشمند تھا۔

اگرچہ بغداد میں اہل اصلاح کی ایک تعداد علم و درس اور عبادت میں مشغول تھی، اور کچھ اللہ کے بندے خانقاہوں اور مساجد میں خلوت نشین اور یکسو تھے، لیکن حکام اور آسودہ حال طبقے میں بگاڑ پھیل گیا تھا،

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۱۹۶ [2] ایضاً ص ۲۰۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عہد کا ایک مورخ ابوالحسن خزرجی اپنے زمانہ کے اہل عراق کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"جاگیروں اور جائدادوں کے حصول کا شوق بہت بڑھ گیا ہے، رفاہ عام کے کام اور اجتماعی مصالح سے لوگوں کی نظر ہٹ گئی ہے، ان دنیاوی امور میں مشغولیت بہت بڑھ گئی ہے، جو جائز نہیں ہے، عمال سلطنت نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اور سب کو زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی فکر ہے۔"

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ:۔

"یہ صورت حال بڑی خطرناک ہے، سلطنت کفر کے ساتھ تو رہ جاتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں رہتی۔"[1]

اُدھر عالم اسلام کے مشرقی حصہ میں خوارزم شاہی بلا شرکت غیرے حکومت کر رہے تھے، یہ بڑے جاہ و جلال کی سلطنت تھی، جو پانچویں صدی کے آخر میں سلطنت سلجوقیہ کے کھنڈروں پر قائم ہوئی، مصر و شام عراق و حجاز اور شمال مغرب میں ایشیا کوچک کے مختصر سلجوقی علاقہ، اور جنوب مشرق میں غوریوں کی نوخیز سلطنت کو مستثنیٰ کر کے تقریباً سارا عالم اسلام خوارزم شاہیوں کے زیر نگین تھا، اس خاندان کا سب سے بڑا حوصلہ مند عالی ہمت اور کشور کشا سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ (۵۹۶ - ۶۱۷ھ) تھا، جو اپنے عہد کا سب سے بڑا نہ صرف مسلمان بادشاہ بلکہ شاید اپنے عہد کا سب سے طاقتور سلطان تھا، ہیرلڈ لیمب (H. LAMB) اپنی کتاب "چنگیز خاں" میں صحیح لکھتا ہے:۔

"اسلامی ملکوں کے قلب میں سلطان محمد خوارزم شاہ اورنگ شاہی پر خدائے جنگ بنا بیٹھا تھا، اس کی قلمرو ہندوستان کی سرحد سے بغداد تک اور بحر خوارزم (آرال) سے خلیج عجم تک چلی گئی تھی، سلجوقی ترکوں کے سوا جنھوں نے صلیبیوں پر فتوحات حاصل کی تھیں، اور مصر کے سلاطین مملوک سے قطع نظر کر کے جو روز افزوں ترقی پر تھے، باقی جس قدر اسلامی سلطنتیں تھیں، ان پر سلطان محمد خوارزم شاہ بالکل چھایا ہوا تھا، سلطان محمد رتبہ میں شہنشاہ تھا، عباسی خلیفہ ناصر لدین اللہ اس سے ناراض تھے، مگر اس کی قوت کو مانتے تھے، خلیفۂ

[1] ملاحظہ ہو مضمون "عصر الشرابی ببغداد" از ناجی معروف رسالہ "الاقلام" بغداد شمارہ محرم ۱۳۸۶ھ۔

بغداد دنیاوی اقتدار سے محروم ہو کر پاپائے رومہ کی طرح صرف دین کا ہادی و رہنما رہ گیا تھا۔"[1]

عرب مورخین علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی سیرت و اخلاق کی کسی بڑی کمزوری اور کسی قابل ذکر شخصی عیب کی طرف اشارہ نہیں کرتے، بلکہ اس کی دینداری، خوش اعتقادی اور شجاعت و صلابت کا عام طور پر اعتراف کرتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں ان چھوٹی بڑی اسلامی سلطنتوں کے ختم کرنے میں صرف ہوئیں، جو اس وسیع مشرقی حصہ میں کہیں واقع تھیں، ایک طرف شمال و مغرب میں اس نے سلجوقیوں کو ان کے آخری حدود تک پسپا ہونے پر مجبور کیا، دوسری طرف مشرق اور جنوب میں وہ ہمیشہ غوریوں سے نبرد آزما رہا، اور ان کو بھی ایک محدود حصہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا، ایران و ترکستان کی سپہ گری کا بہترین عنصر اس غیر مختتم سلسلۂ جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا تھا، ان زرخیز و مردم خیز ممالک کے شہروں و قصبات کی فضا اور ذہن پر جنگ ہر وقت چھائی ہوئی رہتی تھی، مفتوحہ ممالک کی دولت شاداب و حاصل خیز ملکوں کی پیداوار، دستکاروں اور اہل صنعت کی تراش و خراش کی وجہ سے جو سلطنت و طاقت کے اس مرکز میں جمع ہو گئے تھے، تمدن اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ گیا تھا، اور فراغت و امارت اور فتوحات کے سارے لوازم جمع ہو گئے تھے، اس وقت کی تمدنی خرابیوں و کمزوریوں کا ذکر تو ان تاریخوں میں ملنا مشکل ہے، جن کو صرف سرکار دربار سے سروکار تھا، اگر اس کا سراغ کچھ مل سکتا ہے تو اہل دل صوفیا و مشائخ اور مصلحین کی بیاضوں، ملفوظات اور مواعظ میں، جن کا بڑا حصہ تاتاری سیلاب کے نذر ہو گیا، چنگیز خاں کا مسیحی مورخ ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان محض دینی تعصب اور مبالغہ آرائی پر محمول نہیں کیا جا سکتا کہ:۔

"مسلمانوں کی دنیا جنگ و پیکار کی دنیا تھی، اور ایسی دنیا تھی جو نغمہ و سرود سے بھی شغل رکھتی تھی، اور کان بھی اچھے پائے تھے، لیکن اس ظاہر کے ساتھ باطن میں ایک ہیجان کی حالت ہمہ وقت ضرور رہتی تھی، بادشاہوں کی جگہ غلام اور مملوک حکومت کرتے تھے، دولت جمع کرنے کا شوق بہت تھا، اخلاقی برائیاں

[1] چنگیز خاں ص ۱۴۷ ماخوذ از ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب مرحوم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ملکی نازنیں بھی کچھ کم نہ تھیں، انتظامِ امور ایسے لوگوں کے سپرد تھا، جو رعایا کو لوٹتے اور کھاتے تھے، عورتوں کی نگہداشت خواجہ سراؤں کے ذمہ تھی، اور ایمان کا مالک خدا تھا۔"[1]

خوارزم شاہی سلاطین سے اس موقع پر بھی وہی مہلک غلطی ہوئی، جو اسپین کے عرب فرمانرواؤں نے کی تھی، اور جس کو الٰہی قانونِ مکافات نے معاف نہیں کیا، یعنی یہ کہ انھوں نے اپنی ساری طاقت سلطنت کی توسیع واستحکام اور حریفوں کی سرکوبی میں صرف کی، اور اس انسانی آبادی میں جو ان کی سرحد سے متصل تھی، اور بجائے خود ایک دنیا تھی، تبلیغ اسلام، اور ان تک خدا کا آخری پیغام پہونچانے کی کوئی فکر نہیں کی، جذبۂ دینی سے قطع نظر کرکے سیاسی فراست اور دور بینی کا بھی تقاضا تھا کہ وہ اس وسیع انسانی آبادی کو اپنا ہم آہنگ اور ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرتے، اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اس خطرہ سے محفوظ ہو جاتے، جو نہ صرف ان کو بلکہ پورے مسلمانوں کو پیش آیا۔

یہ زمانہ اور حالات تھے، جب تاتاری ابتداءً اپنے سردار اور قائد چنگیز خاں[2] کی قیادت میں عذابِ الٰہی کی طرح عالمِ اسلام کے مشرقی حصہ ایران و ترکستان کی طرف بڑھے، پھر اس بغداد کی بھی نوبت آگئی، جہاں کا نقشہ اوپر کی سطروں میں گذرا ہے، اور بالآخر انھوں نے ۶۵۶ھ میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی" وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ"

عالمِ اسباب میں اس کا قریبی محرک یہ واقعہ ہوا کہ چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ میں بھی ایک وسیع سلطنت کا فرمانروا ہوں، اور آپ بھی ایک وسیع سلطنت کے تاجدار ہیں، بہتر ہے کہ ہم دونوں تجارتی تعلقات قائم کریں، ہمارے تاجر بے خوف وخطر آپ کے قلمرو میں جائیں، اور یہاں کی مخصوص پیداوار اور مال

---

[1] چنگیز خاں ص۱۴۳ ہیرلڈ لیمب، ماخوذ از ترجمہ مولوی عنایت اللہ صاحب مرحوم [2] چنگیز خاں کی سلطنت کی ابتدا ۵۹۹ھ سے ہوئی، خوارزم شاہ کی حکومت پر پہلا حملہ ۶۱۶ھ میں ہوا، اس کا انتقال ۶۲۴ھ میں ہوا، اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اس کے مقاصد کی تکمیل کی، ۶۵۶ھ میں جب بغداد پر حملہ ہوا تو تاتاری افواج کا قائد اور امیر چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں تھا۔

وہاں فروخت کریں، اور آپ کے تاجر اطمینان کے ساتھ ہمارے ملک میں آئیں، اور وہاں کا مال فروخت کریں، خوارزم شاہ نے اس کو منظور کرلیا، اور تجارتی تعلقات قائم ہوگئے، اور تجارتی قافلے بے تکلف دونوں ملکوں میں آنے جانے لگے، اس کے بعد کیا پیش آیا، جس سے عالمِ اسلام اچانک خون کے سمندر میں ڈوب گیا، اس کی تفصیل مغربی مورخ کی زبان سے سنئے، جس کی اسلامی مورخین کے بیان سے حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے[1]۔

ہیرلڈ لیمب اپنی کتاب "چنگیز خاں" میں لکھتا ہے:-

"لیکن تجارت کے تعلقات جو چنگیز خاں نے قائم کئے تھے، وہ اتفاق سے یک لخت ختم ہو گئے، اور یہ اس طرح پیش آیا کہ قراقورم سے تاجروں کا ایک قافلہ مغرب کو آرہا تھا کہ راستہ میں اترار کے حاکم نے جس کا نام انیل جق تھا، قافلہ کے سب آدمیوں کو گرفتار کرلیا، اور اس کی اطلاع اپنے آقا یعنی خوارزم شاہ کو اس طرح کی گویا اس قافلہ میں جاسوس بھی موجود ہیں، انیل جق کا یہ خیال بالکل قرینِ عقل تھا۔

حاکم اترار کے پاس سے اطلاع کے آتے ہی سلطان محمد خوارزم شاہ نے بے سوچے سمجھے حکم دے دیا کہ قافلہ کے کل تاجروں کو ہلاک کردیا جائے، چنانچہ اس حکم کے مطابق قراقورم سے آئے ہوئے کل تاجر قتل کردیئے گئے، اس کی اطلاع جس وقت چنگیز خاں کو ہوئی تو اس نے فوراً اپنے سفیر بھیج کر خوارزم شاہ سے اس کی شکایت کی، سلطان محمد نے سفیروں کے سردار کو بھی قتل کرادیا، اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے، ان کی داڑھیاں جلوادیں، اس سفارت میں سے جن لوگوں کی جان بچ گئی تھی، وہ چنگیز خاں کے پاس واپس آئے اور کل حال عرض کیا، دشت گوبی کا خان حال سنتے ہی ایک پہاڑی پر چڑھ گیا کہ تنہائی میں اس واقعہ پر غور کرے، مغلوں کے ایلچی کو مار ڈالنا ایسا فعل تھا جسے بغیر سزا کے چھوڑنا ممکن نہ تھا، یہ حرکت ایسی تھی جس کا بدلہ لینا مغلوں کی گذشتہ روایات کے لحاظ سے ضروری تھا۔

چنگیز خاں نے کہا جس طرح آسمان پر دو آفتاب نہیں رہ سکتے، اسی طرح زمین پر دو خاقان نہیں رہ سکتے"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۸۱-۸۳، الکامل لابن الاثیر ج ۱۲ ص ۱۴۹ [2] چنگیز خاں ص ۱۴۳ ہیرلڈ لیمب۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے مشرقی ممالک تاتاریوں کی زد میں

تاتاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور اس کو ایک تودۂ خاک بنادیا، شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کردیا، اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، یہی حشر عالمِ اسلام کے نامی گرامی شہروں رے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم کا ہوا، خوارزم شاہ جو عالم اسلامی کا واحد فرمانروا اور سب سے طاقت ور سلطان تھا، تاتاریوں کے خوف سے بھاگا پھرتا تھا، اور تاتاری اس کے تعاقب میں تھے، یہاں تک کہ ایک نامعلوم جزیرہ میں اس نے قضا کی۔

خوارزم شاہ نے ایران وترکستان کی اسلامی ریاستوں اور خودمختار حکومتوں کو اپنی شاہی میں ضم کرلیا تھا، اس لئے جب انھوں نے تاتاریوں کے مقابلہ میں شکست کھائی تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا مشرق میں کوئی نہ تھا، تاتاریوں کی ہیبت اور مسلمانوں کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک تاتاری ایک گلی میں گھسا ہے، جہاں سو مسلمان موجود تھے، کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی، اور اس نے ایک ایک کرکے سب کو قتل کردیا، اور کسی نے ہاتھ تک نہ اٹھایا، ایک گھر میں ایک تاتاری عورت مرد کے بھیس میں گھس گئی اور تنہا سارے گھر والوں کو قتل کردیا، پھر ایک قیدی کو جو اس کے ساتھ تھا، احساس ہوا کہ یہ عورت ہے تو اس نے اس کو قتل کیا، بعض اوقات تاتاری نے کسی مسلمان کو گرفتار کیا، اور اس سے کہا کہ اس پتھر پر سر رکھدے، میں خنجر لاکر تجھے ذبح کروں گا، مسلمان سہما پڑا رہا، اور بھاگنے کی ہمت نہ ہوئی، یہاں تک کہ وہ شہر سے خنجر لایا اور اس کو ذبح کیا۔[1]

تاتاری یورش عالمِ اسلام کے لئے ایک بلائے عظیم تھی، جس سے دنیائے اسلام کی چولیں ہل گئیں، مسلمان مبہوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا،

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الکامل" (ابن اثیر) ج ۱۲۔ اور دائرۃ المعارف (بستانی ج ۶۔ مادہ تتر)

تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا، ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابلِ قیاس سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا کہ "اِذَا قِیْلَ لَکَ اِنَّ التَّتَرَ انْهَزَمُوا فَلَا تُصَدِّقْ" یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو کہیں شکست ہوئی ہے، تو یقین نہ کرنا" جن ملکوں یا شہروں کی طرف ان کا رُخ ہوجاتا، سمجھ لیا جاتا تھا کہ ان کی شامت آگئی، جان ومال، عزت وآبرو، مساجد ومدارس کسی کی خیر نہیں تھی، تاتاریوں کا رُخ کرنا بربادی، قتلِ عام، ذلت وبے آبروئی کا مرادف تھا، ایک مرتبہ تقریباً سارا عالمِ اسلام (خصوصاً اس کا مشرقی حصہ) اس فتنۂ جہاں سوز کی لپیٹ میں آگیا، مورخ ہر طرح کے واقعات پڑھتا اور لکھتا ہے، اس کے سامنے قوموں کی بربادی اور ملکوں کی تباہی کے اتنے مناظر گذرتے ہیں کہ اس کی طبیعت بے حس اور اس کا قلم بیدرد ہوجاتا ہے، لیکن اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر جیسا مورخ (جس نے بڑے صبر وتحمل کے ساتھ دنیا کی تاریخ لکھی ہے) اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا، وہ لکھتا ہے:

"یہ حادثہ اتنا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پس وپیش میں رہا کہ اس کا ذکر کروں یا نہ کروں، اب بھی بڑے تردد وتکلف کے ساتھ اس کا ذکر کر رہا ہوں، واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے، اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت ورسوائی کی داستان سنائے؟ کاش میں نہ پیدا ہوا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مرچکا ہوتا، اور بھولا بسرا ہوجاتا، لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا، پھر بھی مجھے تردد تھا، لیکن میں نے دیکھا کہ نہ لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں، یہ وہ حادثۂ عظمیٰ اور مصیبتِ کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے، لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے، اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا، اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا، اور شاید دنیا قیامت تک (یاجوج ماجوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے، ان وحشیوں نے کسی پر رحم نہیں کھایا، انھوں نے عورتوں، مردوں، اور بچوں کو قتل کیا، عورتوں کے پیٹ چاک کردیئے، اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا" اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

یہ حادثہ عالمگیر و عالم آشوب تھا، یہ ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم میں پھیل گیا۔[1]

"مرصاد العباد" کا مصنف جو اس تاتاری حملہ کا شاہد عینی ہے اور جس کا مولد رَے اور مسکن ہمدان اس تاتاری غارت گری کے نذر ہو چکے تھے، لکھتا ہے:۔

"تاریخ شہور سنہ سبع و عشر و ستمائۃ لشکر مخذول کفار تاتار خذلهم الله و دمّرهم استیلا یافت برآں دیار و آں فتنہ و فساد و قتل و ہدم و حرق کہ ازاں ملاعین ظاہر گشت در ہیچ عصر در زمان کفر و اسلام کس نشان نہ دادہ است، و در ہیچ تاریخ نیامدہ و قبل ازیں بیشتر چگونہ بود کہ از یک شہر رے کہ مولد و منشائے ایں ضعیف است قیاس کردہ اند کما بیش ہفت صد ہزار آدمی بقتل آمدہ است و اسیر گشتہ از شہر و ولایت و فتنہ و فساد آں ملاعین مخاذیل بر جملگی اسلام و اسلامیاں ازاں زیارت است کہ در حیز عبارت گنجد، و ایں واقعہ ازاں شائع تر است در جہاں کہ بشرح حاجت فتد و اگر عیاذاً باللہ غیرت و حمیت اسلام در نہاد ملوک و سلاطین بجنبد کہ عہدۂ رعایت مسلمانی و مسلمانان در ذمۂ ایشان است کہ "الامیر راع علی رعیته وهو مسئول عنهم" و ارعیت در جولیت دین و امن ایشان نگیرد تا باتفاق جمعیتے کنند، و کمر انقیاد فرمان "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" بر میان جان بندند و نفس و مال و ملک در دفع ایں فتنہ فدا کنند بوے آں می آید کہ بیک بارگی مسلمانی بر اندختہ شود و اکثر بلاد اسلام بر افتاد ایں بقیت را نیز بر اندازند و جہان کفر گیرد و نعوذ باللہ خوف و خطر آں است کہ مسلمانی آں قدر اسمے کہ ماندہ بود شومئ معاملۂ مادعیان بے معنی چناں برخیزد کہ نہ اسم ماند نہ رسم۔"[2]

تنہا عالمِ اسلام نہیں اس وقت کی پوری متمدن دنیا تاتاریوں کے حملہ سے لرزہ براندام تھی، جہاں

[1] الکامل (ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ) ج ۱۲ صفحہ ۱۴۸،۱۴۷ [2] مرصاد العباد (قلمی) (محفوظ کتب خانہ ندوۃ العلماء) صفحہ ۸

ان کے پہونچنے کے بہت کم امکانات تھے، وہاں بھی دہشت پھیلی ہوئی تھی، گبن اپنی مشہور کتاب "تاریخ انحطاط و سقوط روما" میں لکھتا ہے:۔

"سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سُنی ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے۔"

کیمبرج کی "تاریخ عہد وسطیٰ" کے مصنفوں نے مغلوں کے اس شدید تصادم کو جس کا محرک چنگیز خاں تھا بڑی خوبی کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ مغلوں کو روک سکیں، دشت و صحرا کے تمام خطروں پر وہ غالب آئے پہاڑ، سمندر، موسمی سختیاں، قحط، وبائیں کوئی بھی ان کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکا، کسی قسم کے خطروں کا انھیں خوف نہ تھا، کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لا سکتا تھا، اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی، یہاں میدانِ تاریخ میں ایک نئی طاقت سے ہم کو واسطہ پڑتا ہے، یہ طاقت اور زور ایسا تھا جس نے بہت سی ملکی اور سیاسی قضیوں کا چشم زدن میں فیصلہ کر دیا، اور انھیں اس طرح مٹا دیا، جیسے آسمان زمین پر گر کر سب چیزوں کو مٹا دے، یہ ملکی اور سیاسی قضیے بھی ایسے تھے کہ اگر آفت نازل نہ ہوتی تو آگے چل کر یا تو کسی کے حل کئے وہ حل نہ ہوتے، اور اگر جاری رہتے تو کبھی ختم ہونا نہ جانتے، تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے، چنگیز خاں سے شروع ہوا، اور اس کے پوتے قوبیلائی خاں پر ختم ہو گیا جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور بسیط سلطنت نے تقسیم و تفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیئے، ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی۔"[1]

بغداد کی تباہی

بالآخر یہ وحشی عالمِ اسلام کو زیر و زبر کرتے، خون کے دریا بہاتے اور آگ لگاتے ۶۵۶ھ میں چنگیز خاں

[1] ماخوذ از "چنگیز خاں" صفحہ ۲۶۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے پوتے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں دنیائے اسلام کے دار الخلافت اور اس عصر کے سب سے بڑے علمی مرکز اور متمدن شہر بغداد میں داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی تفصیل طویل اور بہت دردناک ہے، کچھ اندازہ ان مورخین کے بیانات سے ہوگا، جنھوں نے اس حادثہ کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے، اور اس کی تفصیلات دیکھنے والوں سے سنیں، مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا، چالیس دن کے بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پُررونق ترین شہر تھا، ایسا ویران و تاراج ہوگیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے، ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں، اور سارے شہر میں بدبو پھیلی جس سے شہر کی ہوا خراب ہوگئی، اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر شام تک پہونچا، اس ہوا اور وبا سے بکثرت مخلوق مری، گرانی، وبا اور فنا، تینوں کا دور دورہ تھا"[1]

شیخ تاج الدین السبکی لکھتے ہیں:۔

"ہلاکو خاں نے خلیفہ بغداد (مستعصم) کو ایک خیمہ میں اتارا اور وزیر ابن العلقمی نے علماء و اعیان شہر کو دعوت دی کہ خلیفہ اور ہلاکو کے صلحنامہ پر گواہ بنیں، وہ آئے تو ان سب کی گردن اڑادی گئی، اسی طرح ایک ایک گروہ کے بعد دیگرے بلایا جاتا اور اس کی گردن اڑادی جاتی، پھر خلیفہ کے معتمدین و مقربین کو بلایا گیا اور ان کو بھی قتل کردیا گیا، خلیفہ کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ اگر اس کا خون زمین پر گرا تو کوئی بڑی آفت آئے گی، ہلاکو کو تردد تھا، نصیر الدین طوسی[2] نے کہا کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں، خلیفہ کا خون نہ بہایا جائے، بلکہ

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۰۲، ۲۰۳ [2] ایک ایرانی فاضل کی تاریخ "اخبار و آثار خواجہ نصیر الدین طوسی" شائع کردہ طہران یونیورسٹی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، اس کتاب کے ایرانی مصنف نے بھی نصیر الدین طوسی کو اس واقعہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ طوسی کی سب سے بڑی سیاسی چال جو بالآخر کامیاب ہوئی، یہ تھی کہ ہلاکو کو اس نے خلافتِ عباسیہ کی بیخ کنی پر ابھارا اور قصر خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ہلاکو خود بھی اپنے بھائی منکو قاآن کی طرف سے اس پر مامور تھا کہ باطنیوں کے استیصال

(باقی ص ۳۱۹ پر)

دوسری طرح اس کی جان لی جائے، چنانچہ اس کو فرش میں لپیٹ دیا گیا، اور ٹھوکروں اور لاتوں سے اس کو ختم کردیا گیا"

بغداد میں ایک مہینہ سے زیادہ قتل عام جاری رہا، اور صرف وہی بچ سکا، جو چھپا رہا، کہا جاتا ہے کہ ہلاکو نے مقتولین کو شمار کرایا، تو ۱۸ لاکھ مقتول شمار ہوئے[1]۔

عیسائیوں کو حکم دیا گیا کہ علانیہ شراب پئیں اور سور کا گوشت کھائیں، اگرچہ رمضان کا زمانہ تھا مگر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ شرکت کریں، مسجدوں کے اندر شراب انڈیلی گئی، اور اذان کی ممانعت کردی گئی، یہ وہ بغداد ہے جو (جب سے آباد ہوا) کبھی دار الکفر نہیں ہوا تھا، وہاں وہ واقعہ پیش آیا جو کبھی تاریخ میں پیش نہیں آیا۔[2]

بغداد ہزار خرابیوں کے باوجود عالم اسلامی کا سب سے بڑا شہر، علوم و فنون کا مرکز، ہزارہا علماء و صلحاء کا مسکن اور دار الخلافت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی آبرو تھا، اس کی بربادی نے تمام حساس مسلمانوں کو تڑپا دیا، اور ہر طرف اس کا ماتم کیا گیا، شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے جو بغداد میں طالب علمی کر چکے تھے، اور اس کی رونقیں دیکھے ہوئے

(باقی ص ۳۱۸ کا) کے بعد خلافت عباسیہ کا خاتمہ کردے، خلیفہ بغداد مستعصم باللہ کے پاس ہلاکو نے اطاعت کا حکم بھیج دیا، مراسلت ہوتی رہی، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اب ہلاکو نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا، مغل نجوم سعد و نحس کے بہت معتقد تھے، حسام الدین نامی ایک سنی نجومی اس کے دربار میں تھا، اس نے کہا کہ حملہ بغداد کی یہ گھڑی نحس ہے، اور جب کسی بادشاہ نے خلافت پر ہاتھ ڈالا ہے، تو اسے منہ کی کھانی پڑی ہے، اور کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہوا ہے، اگر آپ حملہ کرتے ہیں تو بارش بند ہو جائے گی، طوفان اور زلزلے آئیں گے، اور ایک عالم ویران ہو جائے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بادشاہ (منکو قاآن) ہلاک ہو جائے گا، یہ سن کر ہلاکو متردد ہو گیا، ہلاکو نے طوسی کی رائے معلوم کی کہ "اگر بغداد حملہ کنیم عاقبت چہ خواہد شد؟" طوسی نے جواب میں کہا "چیزے نخواہد شد جز اینکہ بجائے خلیفہ خان خواہد بود" ہلاکو نے طوسی اور حسام الدین دونوں کو بلا کر مناظرہ کرایا، طوسی نے کہا کہ ہزاروں صحابہ شہید کردیے گئے، مگر کوئی فساد ظاہر نہیں ہوا، اگر عباسیوں کی خصوصیت کہتے ہو تو طاہر کو دیکھو جس نے مامون کے حکم سے خلیفہ وقت امین سے جنگ کی، اور اسے قتل کردیا، متوکل کو اس کے لڑکوں اور غلاموں نے اتفاق کرکے مار ڈالا، منتصر اور معتضد کو امراء اور غلاموں نے ختم کردیا مگر کوئی زلزلہ اور طوفان نہیں آیا۔ [1] ۲۵ لاکھ آبادی میں یہ کچھ بعید نہیں، بعض مورخین نے مقتولین کی تعداد اس سے کم بیان کی ہے

[2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۱۳، ۱۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، ایک دل دوز مرثیہ کہا، جس میں اس وقت کے تمام مسلمانوں کے زخمی دلوں کی ترجمانی ہے، اس کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں :۔

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمین ۔۔۔ برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت می برآری سر زخاک ۔۔۔ سر برآور دین قیامت درمیان خلق بین
نازنینان حرم راخون خلق نازنین ۔۔۔ زاستانِ بگذشت ومارا خون دل آراستین
زینہار از دورِ گیتی وانقلابِ روزگار ۔۔۔ درخیال کس نگشتی کانچناں گردد چنیں
دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکت بیت الحرام ۔۔۔ قیصراں روم سر برخاک وخاقاں بر زمین
خون فرزندانِ عم مصطفیٰؐ شد ریختہ ۔۔۔ ہم برآں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبین
دجلہ خونابست زیں پس گر نہد سر برنشست ۔۔۔ خاک نخلستان بطحا راکند با خون عجین
رشے دریا در ہم آمد زیں حدیث ہولناک ۔۔۔ می تواں دانست بر رویش زبرج افتادہ چیں
نوحہ لائق نیست برخاک شہیداں زانکہ ہست ۔۔۔ کمتریں دولت مرایشاں را بہشت بر تریں
لیکن از روئے مسلمانی و راہ مرحمت ۔۔۔ مہربان را دل بسوزد در فراق نازنین[1]

بغداد کے بعد تاتاریوں نے حلب کا رخ کیا، اور ابن کثیر کے بیان کے مطابق اس کے ساتھ بھی بغداد کا سا سلوک کیا، وہاں سے دمشق کی طرف بڑھے اور جمادی الاولیٰ ۶۵۸ھ میں اس پر قبضہ کر لیا، شہر کے عیسائیوں نے تاتاری فاتحوں کا شہر سے نکل کر استقبال کیا، اور ان کو تحائف پیش کئے، اور ان کے حاکم کے پاس سے فرمان لے کر آئے، اور شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے، ابن کثیر جو خود دمشق کے رہنے والے ہیں، اس واقعہ کی تصویر کھینچتے ہیں، جس سے مسلمانوں کی بے بسی، ذلت و کمزوری کا اندازہ ہوتا ہے :۔

"عیسائی بابِ توما سے داخل ہوئے، وہ صلیب کو لوگوں کے سروں پر بلند کئے ہوئے تھے اور اپنا مخصوص نعرہ

---

[1] کلیات سعدی ص ۵۶

لگا رہے تھے، وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ دین برحق یسوع مسیح کا دین غالب آیا، اور اسلام اور اہل اسلام کی صاف صاف مذمت کرتے تھے، ان کے ہاتھوں میں شراب کے برتن تھے، جس مسجد کے پاس سے گذرتے، اس کے پاس شراب چھڑکتے، کچھ شراب کی بوتلیں تھیں، جن کو لوگوں کے چہروں اور کپڑوں پر چھڑکتے تھے، گلیوں اور بازاروں میں جو شخص بھی گذرتا، اس کو حکم دیتے تھے کہ صلیب کی کھڑے ہو کر تعظیم کرے، مسلمان یہ نقشہ دیکھ کر جمع ہو گئے، اور ان کو دھکا دے کر کنیسۂ مریم تک پہونچا دیا، وہاں عیسائی مقرر نے کھڑے ہو کر مسیحیت کی تعریف میں تقریر کی، اور دین اسلام، اور اہلِ اسلام کی مذمت کی"۔

ابن کثیر "ذیل المرآۃ" کے حوالہ سے آگے لکھتے ہیں :۔

"عیسائی جامع مسجد میں شراب لئے ہوئے داخل ہوئے، ان کی نیت تھی کہ اگر تاتاریوں کا زیادہ رہنا ہوا، تو وہ بہت سی مسجدوں کو گرا دیں گے، جب شہر میں یہ واقعات پیش آئے تو مسلمان، قاضی، شاہد اور علماء جمع ہو کر قلعہ میں گئے، اور تاتاری حاکم قلعہ "ایل سیان" سے شکایت کی، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بڑی ذلت سے نکال دیئے گئے، اور عیسائیوں کے سر برآوردہ لوگوں کی بات سنی گئی" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[1]

شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا، اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا، جو ان کی غارت گری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے، اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس نے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے، چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جالوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی افواج کا مقابلہ ہوا، اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی، وہ بُری طرح سے بھاگے مصریوں نے ان کا تعاقب کیا، اور کثرت سے ان کو قتل کیا، اور بڑی تعداد میں گرفتار۔

سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۲۰، ۲۱۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تاتاریوں کو شرمناک ہزیمت ہوئی، اور خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے ان پر فتح پائی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا، اور وہ اس طرح سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو پکڑ لیتے تھے، اور لوٹتے تھے۔"[1]

عین جالوت کے معرکہ کے بعد سلطان الملک الظاہر بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست دی، اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل اور خارج کر دیا، اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ "تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں"!

تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام

قریب تھا کہ سارا عالمِ اسلام اس سیلاب بلا میں بہ جائے، اور جیسا کہ اس وقت کے اہل نظر اور دردمند مسلمان مصنفین نے خطرہ ظاہر کیا ہے، اسلام کا نام و نشان بھی مٹ جائے کہ دفعۃً تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام شروع ہو گئی، اور جو کام مسلمانوں کی شمشیریں اور مسلمان بادشاہ نہ کر سکے، وہ اسلام کے داعیوں اور خدا کے مخلص بندوں نے انجام دیا، اور خود اسلام نے اپنے خون آشام دشمنوں کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا۔

تاریخ کے عجیب ترین واقعات اور حقائق میں سے اس ناقابلِ تسخیر قوم کا اسلام سے مسخر اور مسلمانوں کے فاتح کا اسلام سے مفتوح ہو جانا ہے، تاتاریوں کا ایک سال کے عرصہ میں برق و باد کی طرح وسیع اسلامی دنیا پر چھا جانا، اور عالم اسلام کو بزور شمشیر فتح کر لینا، اتنا عجیب واقعہ نہیں، اس لئے کہ ساتویں صدی کا عالم اسلام ان بیماریوں، کمزوریوں کا شکار تھا، جو بالعموم تمدن و تہذیب کی انتہائی ترقی کے بعد قوموں میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں، اور ان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں، اس کے بالمقابل تاتاری تازہ دم، جفاکش، بدوی زندگی کے عادی اور خونخوار، خون آشام تھے، لیکن عجیب واقعہ اور تاریخ کا معمہ یہ ہے کہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۱ (مطبعۃ المیمنیہ بمصر)

یہ نیم وحشی قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی، جو اپنی ہر قسم کی مادی اور سیاسی طاقت کھو چکا تھا، اور جس کے پیرووں کو تاتاری سخت ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے،

پروفیسر ٹی، ڈبلیو آرنلڈ اپنی مشہور کتاب دعوتِ اسلام (PREACHING IN ISLAM) میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان و شوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا، اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مغلوں کو جنھوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا، مسلمان کر لیا یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلیں پیش آئیں کیونکہ دو مذہب اس بات کی کوشش میں تھے کہ مغلوں اور تاتاریوں کو اپنا معتقد بنائیں، وہ حالت بھی عجیب و غریب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بدھ مذہب اور عیسائی مذہب اور اسلام اس جد و جہد میں ہوں گے کہ ان وحشی اور ظالم مغلوں کو جنھوں نے ان تین بڑے مذہبوں کے معتقدوں کو پامال کیا تھا، اپنا مطیع بنائیں۔"[1]

"اسلام کے لئے ایسے وقت میں بدھ مذہب اور عیسائی مذہب کا مقابلہ کرنا، اور مغلوں کو ان دونوں مذہبوں سے بچا کر اپنا پیرو بنانا ایسا کام تھا جس میں بظاہر کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی، مغلوں کے طوفان ہلاکت سے مسلمانوں کے برابر کسی نے نقصان نہ اٹھایا تھا، وہ مشہور و معروف شہر جو ایک زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھے، اور جہاں ایشیا کے ارباب علم و فضل آباد تھے، اکثر جلا کر خاک کر دیئے گئے تھے، مسلمانوں کے عالم اور فقیہ یا تو قتل کئے گئے، یا ان کو غلام بنایا گیا،[2] خانانِ مغل جو اسلام کے سوائے اور سب مذہبوں پر مہربان تھے، اسلام کے ساتھ مختلف درجہ کی نفرت اور عداوت رکھتے تھے، چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ جانوروں کو شرع کے مطابق

[1] دعوتِ اسلام (مترجمہ مولوی عنایت اللہ) صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱ [2] مغلوں نے مسلمانوں پر ایسے ظلم کئے کہ چینی تماشے والے جب پردہ پر عکس کی تصویریں دکھاتے ہیں، تو ایک تصویر میں سفید داڑھی کا ایک بڈھا آدمی آتا ہے، جس کی گردن گھوڑے کی دُم سے بندھی ہوتی ہے، اور گھوڑا اس کو گھسیٹے گھسیٹے پھرتا ہے، یہ تصویر گویا ظاہر کرتی ہے کہ مغلوں کے سواروں نے مسلمانوں کو کیسے آزار پہنچائے (ہوورتھ پہلی جلد صفحہ ۱۵۹)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ذبح کریں ان کو قتل کر دیا جائے، اسی حکم کو قوبلائی خان نے اپنے زمانہ میں از سرِ نو جاری کیا، اور اس کی پیروی کے لئے مخبر اور مخبروں کے لئے انعام مقرر کئے، اور اس طرح سات برس تک مسلمانوں کو سخت سے سخت آزار پہونچائے، مغلوں نے اس موقع پر دولت جمع کر لی، اور غلاموں نے آزاد ہونے کے لئے آقاؤں پر ذبیحہ کا الزام لگایا[1]، گیوک خاقان کے عہد میں (۱۲۴۶ء تا ۱۲۴۸ء) جس نے کل انتظام سلطنت دو عیسائی وزیروں کے سپرد کر رکھا تھا، مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں[2]، ارغون خان نے بھی جو چوتھا ایلخان (۱۲۸۴ء تا ۱۲۹۱ء) ہوا مسلمانوں پر ظلم کئے، اور عدالت اور مال کے محکموں میں جس قدر اسامیاں ان کے پاس تھیں، وہ خالی کرالیں اور ان کا دربار میں آنا بند کر دیا[3]۔"

باوجود ان مشکلات کے مغلوں اور وحشی قوموں نے جو مغلوں کے بعد آئیں، انہی مسلمانوں کا مذہب قبول کیا جن کو انھوں نے اپنے پیروں میں روندا تھا[4]۔"

یہ واقعہ جتنا عجیب اور عظیم الشان ہے، اتنا ہی یہ امر حیرت انگیز ہے کہ تاریخ میں اس کی تفصیلات اور جزئیات بہت کم ملتی ہیں، اور جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کارنامہ انجام پایا، ان کا تاریخ کے دفتر میں بہت کم سُراغ ملتا ہے، جن مخلصین نے اس خون آشام تاتاری قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، ان میں بہت کم لوگوں کا نام دنیا کو معلوم ہے مگر ان کا یہ کارنامہ کسی اسلامی کارنامہ سے کم نہیں، اور ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت تک رہے گا کہ انھوں نے دنیا کو وحشت و بربریت سے محفوظ کر کے ایک ایسی قوم کی تولیت میں دے دیا، جو خدائے واحد کی پرستار اور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی علمبردار تھی۔

چنگیز خاں کی سلطنت انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی، ان چاروں شاخوں میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی اور تاتاری خاقان اور ان کی دعوت و تبلیغ اور اثر سے تاتاری قوم مسلمان ہونا شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی،

۱؎ ہوورتھ ج ۱ ص ۲۷۳،۲۱۱ (جس وقت یہ دیکھا گیا کہ اس حکم سے مسلمان تاجروں کا دربار میں آنا بند ہو گیا اور اس کی وجہ سے تجارت کو نقصان پہنچا تو یہ حکم منسوخ کر دیا گیا) ۲؎ ہوورتھ ج ۱ ص ۱۶۵ ۳؎ دی گوین ج ۳ ص ۲۶۵ ۴؎ دعوتِ اسلام ص ۲۴۵، ۲۴۶

پروفیسر آرنلڈ نے "دعوتِ اسلام" میں اس کے جستہ جستہ واقعات لکھے ہیں، چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جوجی خاں کی شاخ میں جو سلطنت کے مغربی حصہ سیرادادرا پر حکمراں تھی، اشاعتِ اسلام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے آرنلڈ لکھتا ہے:۔

"مغلوں کا پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا، وہ برکہ خاں تھا، جو ۱۲۵۶ء سے ۱۲۶۷ء تک سیرادادرا کا خان رہا[1]، اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دن وہ ایک کارواں میں پہنچا، جو بخارا سے آتا تھا، اس میں دو مسلمان تاجر تھے، جن کو برکہ خاں الگ لے گیا، اور اسلام کے متعلق کچھ سوالات ان سے کئے، مسلمانوں نے اپنے مذہب کے احکام و ارکان اس خوبی سے بیان کئے کہ سیرادادرا کو مسلمان ہونے کا شوق پیدا ہوا، وہ اسلام لایا، اس کا حال برکہ خاں نے اپنے چھوٹے بھائی سے بیان کیا، اور اس کو بھی اسلام قبول .... کرنے کی ہدایت کی، اس کے بعد برکہ خاں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا[2]، اسلام قبول کرنے کے بعد برکہ خاں نے سلطان مصر رکن الدین بیبرس سے مصالحت کر لی، اس مصالحت کا باعث خود سلطان مصر اس طرح ہوا کہ اس نے سیرادادرا کے دو سو مغلوں کی نہایت خاطر مدارات کی، ان مغلوں کا قصہ یہ ہے کہ جب خان سیرادادرا اور ہلاکو خاں فاتح بغداد میں عداوت زیادہ بڑھی تو یہ دو سو مغل جو ہلاکو خاں کی فوج میں بھرتی تھے، بھاگ کر شام کے ملک میں چلے آئے، اور یہاں سے وہ بڑے اعزاز کے ساتھ قاہرہ پہونچائے گئے، جہاں دربارِ مصر سے ان کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت ہوئی[3]، سلطان رکن الدین نے ان مغلوں میں سے دو سو آدمیوں کے ساتھ اپنے چند سفیر کئے، اور برکہ خاں کو ایک خطاں کی معرفت روانہ کیا، جب یہ لوگ سیرادادرا سے قاہرہ کو واپس آئے تو سلطان کو خبر دی کہ برکہ خاں کے امیروں کے ہاں اور ایک شہزادی کے ہاں ایک ایک امام اور موذن مقرر ہے، اور بچوں کو مکتب میں قرآن پڑھایا جاتا ہے[4]، سلطان سے انھوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم قاہرہ سے

۱؎ ۱۲۶۳ء میں نجم الدین مختار الزاہدی نے برکہ خاں کے لئے ایک کتاب لکھی جس میں رسالت کو برہان ثابت کیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی مناظروں کا حال لکھا۔ ۲؎ ابو الغازی توم ۲ ص ۱۸۱،۱۸۷ ۳؎ مقریزی ۱ توم ۲ ص ۱۸۰،۱۸۱،۱۸۷ ۴؎ ایضاً ص ۲۱۵

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں برکہ خاں کے سفیر ملے[1]، جو سلطان مصر کی خدمت میں اطلاع کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ برکہ خاں اور اس کی رعایا مسلمان ہو گئی ہے' غرض جب سلطان رکن الدین اور برکہ خاں میں رسم اتحاد پیدا ہوئی تو بیرا دادر اکے بہت مغل مصر میں آئے، جہاں ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب ہوئی[2]۔"

تاتاری سلطنت اور خاندان چنگیز خاں کی دوسری شاخ دولت ایلخانیہ میں اشاعتِ اسلام کے متعلق آرنلڈ لکھتا ہے:۔

"ایران میں جہاں ہلاکو خاں دولت ایلخانیہ کا بانی ہوا، ترکوں میں اسلام کی اشاعت رفتہ رفتہ ہوئی (ہلاکو خاں کا بیٹا تکودار[3] جو اپنے بھائی اباقا خاں کا جانشین ہوا، دولت ایلخانیہ کا پہلا بادشاہ تھا، جس نے اسلام قبول کیا، ایک عہد نویس عیسائی مصنف نے لکھا ہے[4] کہ تکودار کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب پر ہوئی تھی، بچپن میں اس کو اصطباغ ملا تھا، اور نکولس اس کا نام رکھا گیا تھا، لیکن تکودار جب بڑا ہوا تو اس نے مسلمانوں کے اثر صحبت سے جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا، عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا، اور سلطان محمد (یا احمد) نام رکھا، اور جس قدر ہو سکا، اس بات کی کوشش کی کہ سب تاتاری اسلام قبول کر لیں' اور اس کے لئے انعام و اکرام اور اختیار اور عزت لوگوں کو بخشی' یہاں تک کہ اس کے زمانہ میں بہت تاتاری مسلمان ہو گئے، اس بادشاہ نے سلطان مصر کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر ذیل کے مراسلے سے بھیجی۔

"خدا کی قوت اور قاآن کے اقبال سے سلطان احمد کا فرمان بادشاہ مصر کے نام، بعد تمہید کے واضح ہو کہ خدا نے اپنی عنایت اور ہدایت کی روشنی سے آغاز نوجوانی کے زمانہ میں ہم کو اپنی الوہیت اور وحدانیت کا اقرار کرنے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے اور اپنے دوستوں اور نیک بندوں کی نسبت خوش اعتقاد رہنے کی ہدایت کی تھی' وہ جس کسی کو ہدایت پر لانا چاہتا ہے' اس کے دل کو مذہب اسلام قبول کرنے کے لئے

---

[1] مقریزی ص۱۸۱ [2] ایضاً ص۲۲۲ [3] وصاف نے اس بادشاہ کو مسلمان ہونے سے پہلے تکودار اور مسلمان ہونے کے بعد احمد لکھا ہے۔ [4] ہیثوم (راموسیو توم ۲ ص۶۰)

کھول دیتا ہے' ہم اس وقت سے آج تک دین کا بول بالا کرنے اور مذہب اسلام اور مسلمانوں کے معاملات کی اصلاح کرنے پر مائل رہے یہاں تک کہ والد بزرگوار اور برادر بزرگ کی طرف سے حکمرانی کی نوبت ہم تک پہنچی اور خدا نے اپنی مہربانی سے ہماری امیدوں کو پورا کیا، اور حکومت و سلطنت ہم کو عنایت کی' پھر قریلتائی (کورلتائی) مبارک میں جس سے وہ مجلس مراد ہے' جس میں تمام بھائی بند اور شہزادے اور بڑے بڑے امیر اور فوج کے سردار مشورہ کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں' سب نے مل کر یہ اقرار کیا کہ ہمارے برادر بزرگ کے حکم سے فوج کشی کو جاری کیا جاوے' اور ہماری فوجوں میں سے جن کی کثرت سے زمین باوجود وسیع ہونے کے تنگ ہے' اور جن کی صولت اور ہیبت سے سب کے دل کانپتے اور تھراتے ہیں' ایک جم غفیر کو اطراف میں روانہ کیا جائے' اور یہ فوج کشی ایسے مضبوط ارادہ کے ساتھ ہو جس کے سامنے بلند پہاڑ جھک جاویں' اور سنگ خارا کے چٹان نرم پڑ جاویں' ہم نے اس مقصد پر غور کیا جس پر ان کے ارادے پختہ اور ان کی رائیں متفق تھیں' اور ان سب کا خلاصہ جو معلوم ہوا، وہ اس عام نیکی کے خلاف تھا جس کے جاری کرنے کا ہم ارادہ رکھتے تھے' اور جس سے مراد یہ ہے کہ شعار اسلام کو زندہ کیا جائے' اور جو احکام ہماری طرف سے جاری ہوں' ان سے خونریزی موقوف ہو' اور دنیا کی مصیبت کم ہو' اور دنیا کے اطراف میں امن و امان کی ہوا چلے' اور تمام شہروں کے حاکم ہماری شفقت اور مہربانی سے آرام پاویں' کیونکہ ہم خدا کی تعظیم کرتے ہیں' اور خدا کی مخلوق پر مہربان ہیں' اس لئے خدا نے ہمارے دل میں الہام کیا کہ ہم مشتعل آگ کو بجھائیں' اور فتنہ و فساد کو فرو کریں' اور جن لوگوں نے یہ رائے دی ہے' ان کو اس تدبیر سے مطلع کریں جس سے دنیا کی بیماریاں اور تکلیفوں کے دور ہونے کی امید ہے' اور جس کو سب سے پہلے عمل میں لانے کی سب سے آخری علاج سے بالا رہنے کی خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے' اس لئے ہم پیکانوں کو جنبش میں لانے' اور کمانوں پر چلّے چڑھانے میں جلدی نہیں کرتے ہیں' اور جب تک حق بات ظاہر نہ ہو' حجت قوی نہ ہو' ہم اس امر کی اجازت نہیں دیتے' شیخ الاسلام قدوۃ العارفین کی نصیحت سے جو امور مذہبی میں ہمارے سب سے بہتر مددگار ہیں' ہمارے اس ارادہ کو جو فلاح و بہبودی کی خواہش پر مبنی ہے' اور اس رائے کو جس سے کامیابی کی امید ہے' پختہ اور مصمم کر دیا' چنانچہ ہم نے یہ فرمان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاری کیا، جو ماننے والوں کے لئے خدا کی رحمت اور نہ ماننے والوں کے لئے خدا کا عذاب ہے، ہم نے اس فرمان کے ماننے والوں کے لئے قاضی القضاۃ قطب الدین شیرازی اور اتابک بہاء الدین کو جو اس سلطنت کے عمائدین، روانہ کیا ہے، "تا کہ لوگوں کو ہمارے طریقہ سے واقف کریں، اور تمام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے جو بات ہمارے دل میں پوشیدہ ہے، سب اس سے آگاہ ہوں، نیز ان سب لوگوں کو اس بات سے مطلع کریں کہ خدا نے ہم کو بصیرت و ہدایت عطا کی ہے، اور اسلام ان تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے، جو مسلمان ہونے سے پہلے وقوع میں آئے ہوں، اب تو خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ ہم حق کی اور اہل حق کی پیروی کریں، پس اگر لوگوں کے دل ایسی دلیل کی جستجو میں ہیں جن سے وہ ہم پر بھروسہ کر سکیں، اور ایسی حجت طلب کرتے ہیں جس سے کامیابی کی امید کر سکیں، تو وہ ہماری ان تمام فضیلتوں پر نظر ڈالیں، جو دنیا میں عام طور پر مشہور ہو چکی ہیں، کیونکہ ہم نے خدا کی عنایت سے دین کے نشانوں کو بلند کیا ہے، اور ہر ایک حکم جاری کرنے میں اس امر کو پیش نظر رکھا ہے، اور شرع محمدی کے قوانین کو بلحاظ ان کی عظمت اور بزرگی کے عین مقتضائے انصاف پر جاری کیا ہے، ہم نے تمام رعیت کے دلوں کو خوش کیا ہے، اور جن سے پہلے کوئی برائی یا خطا سرزد ہوئی تھی، ان سب کو یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے کہ خدا بھی تمہاری اگلی خطاؤں کو معاف کرے، ہم نے مسلمانوں کے اوقاف کی جن میں مسجدیں اور مقبرے اور مدرسے شامل ہیں، اصلاح کی ہے، اور تمام خیرات خانوں اور مہمان سراؤں کو جن کے نشانات مٹ گئے تھے، دوبارہ آباد کیا ہے، اور اوقاف کی آمدنی کو ان کے قدیم دستور اور وقف کرنے والوں کے شرائط کے موافق حقداروں تک پہنچا دیا ہے، ہم نے حکم دیا ہے کہ ہمارے حکام حاجیوں کے معاملہ کو مہتم بالشان سمجھیں، اور ان کے لئے سامان سفر مہیا کریں، اور جن رستوں سے وہ سفر کرتے ہیں، ان کو آباد و بے خطر رکھیں، اور حاجیوں کے قافلوں کو بآرام تمام روانہ کریں، ہم نے تمام سوداگروں کو جو ملک میں آمد و رفت رکھتے ہیں، پوری آزادی عطا کی ہے کہ وہ اپنے طریقہ سے جس طرح چاہیں، سفر کریں، اور فوج اور قراغول اور شحنوں کو جو ملک کے اطراف میں مقرر ہیں، سخت ممانعت کی ہے کہ وہ سوداگروں کی آمد و رفت میں کسی طرح کی مزاحمت کریں، "تا کہ شہر اور ملک

آباد ہوں، فتنے اور فساد فرو ہوں نیز تلواریں میان میں رہیں، اور تمام باشندے آرام و آسایش سے بسر کریں اور مسلمانوں کی گردنیں ذلت و خواری کے طوق سے نکل جائیں[1]"۔

"تاریخ مغلیہ کے ناظرین کو ان صدہا ظلموں اور متواتر کشت و خون کے ہنگاموں کو پڑھنے کے بعد جو مغل اور تاتاریوں نے برپا کئے، اس فرمان کے مطالعہ کرنے سے بہت راحت معلوم ہوئی ہوگی، اور تعجب ہوا ہوگا کہ ایک مغل فرمانروا کی زبان سے بھی اس قدر فیاضی اور انسانی ہمدردی کے خیالات ادا ہوئے[2]"۔

"۱۲۸۴ء میں تکودار احمد کے خلاف ایک بغاوت برپا ہوئی، جس کا سرغنہ ارغون خاں تھا، تکودار کو اس نے قتل کیا، اور خود مالک تخت و تاج بن گیا، ارغون کے عہد حکومت میں (۱۲۸۴ء سے ۱۲۹۱ء) جو چند سال تک جاری رہا، عیسائیوں پر پھر سلطنت کی طرف سے مہربانی ہوئی اور مسلمانوں کو سختیاں اٹھانی پڑیں اور سرکاری عہدوں اور نوکریوں سے وہ برطرف کر دیئے گئے[3]، ۱۲۹۵ء تک تکودار کے جانشین اپنے قدیم مذہب شامان کے پیرو رہے، لیکن ۱۲۹۵ء میں البتہ ان کا ساتواں بادشاہ غازان جو خاندان ایلخانیہ کا سب سے زیادہ بارعب اور پر سطوت بادشاہ ہوا مسلمان ہو گیا، اور اس نے اسلام کو ایران کا شاہی مذہب قرار دیا۔

مسلمان ہونے سے پہلے سلطان غازان کی تعلیم و تربیت بدھ مذہب پر ہوئی تھی، اور خراسان میں اس بادشاہ نے بدھوں کے لئے مندر تعمیر کر دیئے تھے، بدھ مذہب کے عالموں کی صحبت سے وہ بہت خوش ہوتا تھا، اور یہ لوگ جس وقت دولت مغلیہ کو عروج ہوا تھا، ایران میں کثرت سے چلے آئے تھے[4]، سلطان غازان کو مختلف مذہبوں کی تحقیق و تفتیش کا بڑا شوق تھا، اور ہر مذہب کے عالموں سے وہ مذہبی مباحثہ کرتا تھا[5]، غازان کا وزیر اور اس کے عہد کا مورخ حکیم رشید الدین تھا، جس کا یہ خیال غالباً صحیح معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غازان سچی نیت اور عقیدہ سے مسلمان ہوا، اور اپنے تمام زمانۂ بادشاہی میں وہ اسلام کا نہایت پابند رہا[6]"۔

---

[1] وصاف ص ۲۳۱، ۲۳۴ [2] دعوتِ اسلام ص ۲۴۸، ۲۵۱ [3] دے گبن ج ۳ ص ۲۶۳، ۲۶۵ [4] دہوسن توم ۴ ص ۱۴۸
[5] ایضاً ص ۳۶۵ [6] دعوتِ اسلام ص ۲۵۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مورخ ابن کثیر نے بھی غازان کے اسلام لانے کا ذکر ۶۹۴ھ کے واقعات میں بڑی مسرت کے ساتھ کیا ہے، اوران کے اور دوسرے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سہرا ایک دل مسلمان ترک امیر توزون[1] کے سر ہے، جن کی تلقین اور سعی سے تاتاری سلطان نے اسلام قبول کیا، ابن کثیر ۶۹۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:۔

"اس سال چنگیز خاں کا پرپوتا قازان بن ارغون بن ابغا بن تولی بن چنگیز خاں تاتاریوں کا بادشاہ ہوا، اور امیر توزون رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر علانیہ مشرف باسلام ہوا، اور تاتاری کل یا بیشتر اسلام میں داخل ہو گئے جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا، اس روز سونا چاندی اور موتی لوگوں کے سروں پر نچھاور کئے گئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا، اور جمعہ اور خطبہ میں شرکت کی، بہت سے مندر اور گرجے گرادیئے گئے، اور ان پر جزیہ مقرر کیا بغداد اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کی گئیں، اور انصاف کیا گیا، لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھ میں تسبیحیں اور ہیاکل (؟) دیکھے اور اللہ کے فضل واحسان کا شکر ادا کیا۔[2]"

"آرنلڈ لکھتا ہے کہ ۱۳۰۴ء میں غازان کا بھائی سلطان بن محمد خدابندہ کے نام سے تخت ایران پر بیٹھا، اس سلطان کی ماں عیسائی تھی، اور بچپن میں اس کی تعلیم و تربیت بھی عیسوی طریقہ سے ہوئی تھی، اور نکولس کے نام سے اس نے اصطباغ پایا تھا، لیکن ماں کے مرنے پر وہ اپنی بیوی کے کہنے سے مسلمان ہو گیا، ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ نکولس خاں یعنی سلطان خدابندہ کے مسلمان ہونے سے مغلوں میں بڑا اثر پیدا ہوا[3]، غرض اس زمانہ سے قلمرو ایلخانیہ میں اسلام سب مذہبوں پر غالب آگیا۔[4]"

اس خاندان کی تیسری شاخ میں جو بلاد متوسطہ پر قابض تھی، اور جس کا بانی چغتائی بن چنگیز خاں تھا، اشاعتِ اسلام کی کیفیت بیان کرتے ہوئے آرنلڈ لکھتا ہے:۔

"بلاد متوسطہ میں جو چغتائی ابن چنگیز خاں اور اس کی اولاد کے حصہ میں آئے تھے، دعوتِ اسلام کے حالات

[1] آرنلڈ اور دوسرے مورخین اس کو نوروز بیگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ [2] البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۱۳ ص ۳۴۰
[3] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۵۷ [4] دعوتِ اسلام ص ۲۵۴

کا پتہ کم چلتا ہے اس سلسلہ میں پہلا بادشاہ جس کو نورِ اسلام کی برکت ملی وہ براق خاں تھا جو چغتائی خاں کا پرپوتا تھا، اور جس نے تخت نشین ہونے کے دو برس کے بعد مسلمان ہو کر سلطان غیاث الدین (۱۲۶۶ء-[illegible]) اپنا نام رکھا[1]، لیکن یہاں شروع زمانہ میں اسلام کی ترقی زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکی، چونکہ براق خان کے مرنے کے بعد جو مغل مسلمان ہوئے تھے انھوں نے پھر اپنا قدیم مذہب اختیار کیا، اور چودھویں صدی عیسوی سے پہلے اس حالت کی اصلاح نہ ہو سکی، البتہ طرمشرین خاں جس نے ۱۳۲۲ء سے ۱۳۳۰ء تک سلطنت کی جس وقت مسلمان ہوا، تو چغتائیہ مغلوں نے بالعموم اسلام اختیار کر لیا، اور جب ایک دفعہ انھوں نے اپنے بادشاہ کی طرح اسلام قبول کر لیا تو وہ مضبوط دل سے اس مذہب پر قائم رہے، لیکن اس سال میں بھی اسلام کا اور مذہبوں پر غالب آنا جو حریف مقابل تھے یقینی امر نہ تھا کیونکہ طرمشرین کے جانشینوں نے مسلمانوں کے اوپر ظلم و ستم کرنے شروع کر دیئے، اور جب تک کاشغر کا بادشاہ جس کی ریاست چغتائیہ سلطنت کی تقسیم وضعف سے خودمختار ہو گئی تھی، اسلام کی حمایت کو نہ اٹھا، اس وقت تک اسلام کی ترقی ممکن نہ ہوئی، سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کا نام تغلق تیمور خاں (۱۳۴۷ء-۱۳۶۳ء) تھا، لکھا ہے کہ بخارا سے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کاشغر میں آئے، اور انھوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا، شیخ جمال الدین اور ان کے ساتھی سفر میں تھے کہ نادانستہ تغلق کی شکاری زمین پر سے ان کا گذر ہوا، بادشاہ نے اس قصور میں ان سب لوگوں کی مشکیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا، اور نہایت غصہ کی حالت میں ان سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں ہماری زمین پر بے اجازت داخل ہوئے، شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں اور ہم کو مطلق خبر نہ تھی کہ ہم ایسی زمین پر چل رہے ہیں جس پر چلنے کی ممانعت ہے، بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اس نے کہا کہ ایرانی سے تو کتا بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا کہ سچ ہے اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا تو فی الحقیقت ہم کتے سے بھی بدتر تھے یہ جواب سن کر تغلق تیمور حیران رہ گیا، اور

[1] ابوالغازی توم ص ۱۵۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو یہ ایرانی ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور بادشاہ نے شیخ جمال الدین کو علٰحدہ لے جا کر کہا کہ جو کچھ تم اس وقت کہتے تھے، اس کو اب سمجھاؤ، دین برحق سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے احکام اور ارکان کو ایسے جوش سے بیان کیا کہ تغلق تیمور کا دل جو پہلے پتھر تھا، اب موم کی طرح نرم ہوگیا، شیخ نے حالت کفر کا ایسا مہیب نقشہ کھینچا کہ بادشاہ کو اپنی غلطیوں سے اب تک بے بصیرت رہنے کا یقین ہوگیا، لیکن اس نے کہا کہ "اگر اس وقت میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کروں گا، تو پھر رعایا کو راہ راست پر نہ لاسکوں گا، اس لئے کچھ عرصہ کے لئے تم سکوت کرو، جب میں اپنے باپ کے تخت اور ملک کا مالک بنوں، تو اس وقت تم میرے پاس آنا، چغتائیہ سلطنت اب حصہ ہو کر چھوٹی چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہوگئی تھی اور برسوں کے بعد تغلق تیمور اس قابل ہوا کہ ان سب عملداریوں کو شامل کرکے پھر قلمرو چغتائیہ کی شکل ایک سلطنت قائم کردے، اس عرصہ میں شیخ جمال الدین اپنے وطن کو چلے گئے، اور یہاں سخت بیمار پڑے، جب موت کا وقت قریب آیا، تو اپنے بیٹے رشید الدین سے کہا کہ تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا، تم اس وقت اس کے پاس جانا، اور میرا اسلام پہنچا کر بے خوف و خطر بادشاہ کو یاد دلانا کہ اس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا، چند سال کے بعد تیمور تغلق نے باپ کا تخت حاصل کرلیا تو ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہونچا کہ باپ کی وصیت کو پوری کرے، لیکن باوجود کوشش کے اس کو خان کے دربار میں حضوری نہ ہوئی، آخر کار اس نے مجبور ہوکر یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصباح تغلق کے خیمہ کے قریب اذان کہنی شروع کی، تغلق کی جب نیند خراب ہوئی تو غصہ ہوا، اس نے رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا، رشید الدین آیا اور اپنے باپ کا پیغام تغلق کو سنایا، تغلق کو پہلے ہی سے اپنے وعدہ کا خیال تھا، وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا، اس کے بعد اس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی، اور اس کے زمانہ میں ان تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہوگیا، جو چغتائی ابن چنگیز خاں کی اولاد کے تسلط میں رہتے تھے۔"[1]

بعض ترکی مورخین کی تاریخوں میں یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ تغلق تیمور نے اپنے شکاری کتے

[1] دعوتِ اسلام از آرنلڈ ص ۲۵۶

کی طرف اشارہ کرکے کمال حقارت سے شیخ جمال الدینؒ سے پوچھا کہ یہ بہتر ہے کہ تم بہتر ہو؟ شیخ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ اگر میں دنیا سے ایمان کے ساتھ چلا گیا تو میں بہتر ہوں ورنہ یہ کتا! تغلق تیمور کے دل میں یہ بات چبھ گئی، اور اس نے اس کی تفصیل دریافت کی اور پوچھا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ شیخ نے ایمان کی حقیقت بیان کی، اس پر تغلق تیمور نے اس سے خواہش کی کہ اس کی تخت نشینی کے بعد وہ اس کو اپنی زیارت سے مشرف کریں، اور پھر وہ واقعہ پیش آیا، جو اوپر مذکور ہوا، بہرحال اتنا محقق ہے کہ تغلق تیمور کے اسلام لانے، اور بالواسطہ کاشغر اور سلطنت چغتائیہ میں اسلام کی اشاعت کا ظاہری سبب شیخ جمال الدین ہیں، جن کے دل سے نکلے ہوئے ایک فقرہ نے اور ان کی قوت ایمانی اور اخلاص و درد نے وہ کام کیا، جو ہزاروں تقریریں اور لاکھوں شمشیریں نہیں کرسکتیں "جزاہ اللہ عن الاسلام ونبیہ خیر الجزاء"

چنگیز خاں کی چوتھی شاخ کے متعلق (جس کا بانی اوگتائی خاں تھا، اور جس میں منگو خاں اور قوبلائی خاں جیسے نامور فرمانروا گذرے ہیں، اور جو تاتاری سلطنتِ عظمیٰ کے مشرقی حصہ پر قابض تھی) آرنلڈ لکھتا ہے:۔

"تمام سلطنت مغلیہ میں ہر جگہ ایسے مسلمان موجود تھے، جو منکرین کو خفیہ طور پر مسلمان کرلیتے تھے، اوگتائی خاں (۱۳۲۹ء تا ۱۳۴۱ء) کے عہد میں حاکم ایران کرگز نامی کا حال لکھا ہے کہ وہ اول بدھ مذہب کا پیرو تھا، پھر اس نے یہ مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا،[1] تیمور خاں کے زمانہ میں (۱۳۲۹ء تا ۱۳۴۱ء) خانِ انندا نے جو قوبلائی خاں کا پوتا تھا، اور چین میں صوبہ کانسوہ کا حاکم تھا، اسلام قبول کیا، اور تانگوت میں اس نے بہت لوگوں کو مسلمان کیا، بلکہ جو فوج اس کے تحت میں تھی، اس کے بھی اکثر لوگ مسلمان ہوگئے، تیمور خاں نے انندا خاں کو اپنے دربار میں بلایا اور کوشش کی کہ انندا خاں اسلام چھوڑ کر بدھ مذہب قبول کرے، لیکن اس نے انکار کیا، اور قید میں بھیج دیا گیا، تھوڑے عرصہ کے بعد انندا خاں قید سے رہا کر دیا گیا، کیونکہ تانگوت کی رعایا جس کو اپنے حاکم کے ساتھ بہت الفت تھی، بغاوت پر آمادہ ہو چلی تھی۔"[2]

[1] وہوسن ج ۳ ص ۱۲۱ [2] ایضاً توم ۲ ص ۵۳۲، ۵۳۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض اس طرح پوری تاتاری قوم جس نے پورے عالم اسلام کو پامال کر کے رکھ دیا تھا، اور جس کے سامنے کوئی اسلامی طاقت ٹھہر نہیں سکتی تھی، چند برس کے عرصہ میں اسلام کی حلقہ بگوش بن گئی، اور اسلام نے دوبارہ اس کا ثبوت دیا کہ اس کو اپنے دشمنوں کو تسخیر اور اپنے دام محبت میں اسیر کرنے کی عجیب و غریب قدرت حاصل ہے، تاتاری نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد، بڑے بڑے عالم اور فقیہ اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے، اور انھوں نے بہت سے نازک موقعوں پر اسلام کی پاسبانی کا فرض بھی انجام دیا۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مولانا جلال الدین رومیؒ

علم کلام و عقلیت کا بحران

ساتویں صدی میں سارا عالمِ اسلام علمِ کلام کے مسائل و مباحث سے گونج رہا تھا، جو شخص علم کلام کی اصطلاحات اور معتزلہ و اشاعرہ پھر اشاعرہ و حنابلہ کے مختلف فیہ مسائل سے واقف نہیں ہوتا تھا، وہ پڑھا لکھا انسان نہیں سمجھا جاتا تھا، اسی صدی کی ابتدا میں (۶۰۶ھ میں) امام رازی نے انتقال کیا تھا، جنھوں نے علمِ کلام کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا تھا کہ اس کی صدائے بازگشت کے علاوہ کوئی آواز سننے میں نہیں آتی تھی، عالمِ اسلام کے علمی و فکری حلقے استدلال و قیاس کے خوگر تھے، کسی شئی کا وجود، کسی چیز کی حقیقت، دین کا کوئی عقیدہ اس وقت تک قابلِ تسلیم نہیں سمجھا جاتا تھا، جب تک کہ اس کو عقلی دلائل، منطقی ترتیب، اور فلسفیانہ مقدمات سے ثابت نہ کر دیا جاتا۔

متکلمین اشاعرہ نے عام زندگی میں اگرچہ معتزلہ اور فلاسفہ پر فتح حاصل کر لی تھی، اور ان کے علم کلام کے مقابلہ میں اعتزال و فلسفہ کی آواز پست ہو چکی تھی، لیکن اعتزال کی روح اور عقلیت خود اپنے فاتحین کو مفتوح بنا چکی تھی، اشاعرہ کے علمِ کلام میں معتزلہ کی عقلیت پرستی کی روح سرایت کر گئی تھی، انھوں نے بھی عقل کو اتنی وسعت دے دی تھی کہ وہ ذات و صفات کے نازک اور ماورائے عقل (نہ کہ مخالفِ عقل) مسائل و تفصیلات میں آزادانہ بحث کر سکے، انھوں نے بھی ظواہر و محسوسات کو بڑی حد تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ کن سمجھ لیا تھا، انھوں نے بھی دینی مسائل کے اثبات اور حقائقِ اشیاء کے وجود کی بنیاد استدلال و قیاس پر رکھی تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ تمام عالم اسلام پر ایک لفظی و استدلالی ذوق غالب تھا، علم کلام نقل در نقل ہو کر رہ گیا تھا، جس میں عرصہ سے کوئی جدت پیدا نہیں کی جا سکی تھی، اس کے حلقہ میں مدتہائے دراز سے امام ابو الحسن اشعری یا حجۃ الاسلام غزالی سا مجتہد اور ذہین و طباع پیدا نہیں ہوا تھا، قیاس و استدلال کے غلو نے دماغوں کو خواہ کتنی جولانی بخشی ہو، دلوں کی حرارت اور یقین کی روشنی کو نقصان پہنچایا تھا، متکلمین نے اپنی قوت استدلال اور مقدمات و نتائج کی آراستگی سے معترضین کی زبانوں کو خاموش کر دیا تھا، لیکن وہ قلوب کو سکینت و ایمان و اہل شک و ارتیاب کو یقین و اذعان عطا کرنے میں ناکام رہے تھے، ان کے اس طریق بحث و استدلال نے دماغوں اور دلوں میں بیسیوں گرہیں ڈال دی تھیں، جن کو علم کلام سلجھانے سے قاصر تھا، "وجدان" جو علم و یقین کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے، علم کلام کی مسلسل بے اعتنائیوں بلکہ تحقیر کی وجہ سے بالکل معطل ہوتا جا رہا تھا، ظاہری حواس خمسہ کے علاوہ کسی اور باطنی حاسّہ کا وجود تسلیم نہیں کیا جا رہا تھا، اس لئے بہت سے وہ مسائل و حقائق جو حاسّۂ باطنی کے بغیر محسوس و معلوم نہیں کئے جا سکتے تھے، محل اعتراض بنے ہوئے تھے، اور ان کے انکار و نفی کا رجحان پیدا ہوتا جا رہا تھا، غرض سارا عالم ایک کلامی بحران میں مبتلا تھا، اور سب پر ایک "عقلی ظاہریت" چھائی ہوئی تھی، امت کی قوتِ عمل اور اس سے بڑھ کر "حرارتِ عشق" جو اس امت کا سرمایہ، اس کی طاقت کا سرچشمہ اور نبوت کا فیضان ہے، سرد ہوتی جا رہی تھی، دل سوز سے خالی، اور "حرارتِ عشق" سے عاری ہوتے جا رہے تھے، فلسفیانہ مباحث اور علم کلام کی معرکہ آرائیوں نے عالم اسلام کو ایک "مدرسہ" میں تبدیل کر دیا تھا، جس میں قیل و قال تو بہت تھی، مگر "زندگی" اور محبت "معرفت" اور نگاہ "نایاب" تھی، اہل قلوب کے روحانی جزیروں میں البتہ عشق کا سرور اور یقین کا نور پایا جاتا تھا، ورنہ عالم کا عالم الفاظ کے طلسم کا گرفتار اور ظواہر و محسوسات کا پرستار تھا۔

صاحبِ دل متکلم کی ضرورت

ایسی حالت میں عالمِ اسلام کو ایک ایسی بلند اور طاقت ور شخصیت کی ضرورت تھی، جو دل درد مند اور فکرِ ارجمند دونوں سے فیضیاب ہو، جس کے لئے عقلیات کا سمندر پایاب ہو چکا ہو اور الفاظ و ظواہر کا طلسم ٹوٹ چکا ہو، جو اپنی گرمیٔ عشق اور سوزِ دروں سے اس یخ بستہ عالمِ اسلام میں زندگی کی نئی حرارت پیدا کر دے اور عقل کے اس "نگار خانہ" میں عشق کا صور پھونک دے، جو ایک ایسے نئے علمِ کلام کی بنیاد رکھے جو دماغوں سے زور آزمائی اور مخالفین کی زبان بندی کے بجائے دماغ کی شکن دور کر دے، اور دل کی گرہ کھول دے، اور ان کو سکینت و ایمان اور یقین و اطمینان سے بھر دے، یہ شخصیت مولانا جلال الدین رومیؒ (م ۶۷۲ھ) کی تھی، جن کی مثنوی علم کلام کی بے اعتدالیوں اور عقل کی "ہوس پرستی" کے خلاف ایک صدائے احتجاج بلکہ اعلان جنگ ہے، اور ایک ایسے نئے علم کلام کی بنیاد جس کی بدلتے ہوئے عالم اسلام کو سخت ضرورت تھی۔

مختصر حالات

مؤلف "مرأۃ المثنوی" نے اپنی (غیر مطبوعہ) تصنیف "صاحب المثنوی" میں مولانا کے حالات نہایت تفصیل و تحقیق سے لکھے ہیں، یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔[۱]

۱۔ قاضی تلمذ حسین گورکھپوری مرحوم اس دورِ آخر میں مثنوی اور صاحبِ مثنوی کے بہت بڑے شیدائی اور محقق عالم تھے، ان کی کتاب "مرأۃ المثنوی" سے متعلق لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتی، مرأۃ المثنوی کے علاوہ (جو طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہے) ان کی دو اور محققانہ تصانیف ہیں، جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں۔ (۱) صاحب المثنوی (۲) نقد المثنوی۔ ان دو کتابوں کی اشاعت "ادبیاتِ رومی" میں ایک گراں قدر اضافہ اور ایک بڑی خدمت ہوگی، صاحب المثنوی دار المصنفین میں زیر طبع ہے، راقم سطور کو ان کے صاحبزادہ توکل حسین کی عنایت سے اس بیش بہا کتاب سے استفادہ و اقتباس کا موقع ملا، جزاہ اللہ خیرا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان اور والد نامدار

محمد نام، لقب جلال الدین، شہرت مولانا روم یا مولانا رومی کے لقب سے ہے آپ کا نسب باپ کی جانب سے نو واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے، اور ماں کی جانب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔

مولانا کے آبائے کرام بلخ واقع خراسان[1] کے رہنے والے تھے، مولانا کی وہیں پیدائش ہوئی مولانا کے پدری و مادری سلسلہ میں اجلہ علما، اور سلاطینِ وقت ہیں، مولانا کی دادی ملکۂ جہان شاہان خوارزم کے خاندان سے تھیں۔

مولانا کے والد کا نام محمد اور لقب بہاء الدین ولد تھا، ان کی ولادت غالباً ۵۴۳ھ میں ہوئی حضرت بہاء الدین ولد نوعمری ہی میں تمام علوم میں کامل و ماہر ہو گئے تھے، آپ کے علم و فضل کی کیفیت یہ تھی کہ اقصائے خراسان سے مشکل فتاوے آپ ہی کے پاس آتے تھے، مجلس کا طریق بادشاہوں کا سا تھا، سلطان العلما، خطاب بھی تھا، معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک درس عام ہوتا، ظہر کے بعد اپنے خاص اصحاب کے حلقہ میں حقائق و معارف بیان فرماتے، دوشنبہ اور جمعہ کو عام وعظ کہتے، ہیبت نمایاں رہتی، اور ہمیشہ متفکر معلوم ہوتے۔

مولانا کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم

آپ کے صاحبزادہ مولانا جلال الدین رومی ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو پیدا ہوئے، سلطان العلماء کے مریدان خاص میں ایک بلند پایہ بزرگ سید برہان الدین محقق ترمذی تھے، سلطان العلماء نے آپ ہی کو مولانا کا اتالیق مقرر فرمایا، اور ۴۔۵ سال کی عمر تک مولانا آپ ہی کے زیر تربیت رہے، اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ ہی کے زیر ہدایت منازل سلوک طے کیے۔

---

[1] حال واقع ملک افغانستان۔ (ندوی)

والد کی بلخ سے ہجرت

مولانا کے والد ماجد کا اثر جب زیادہ بڑھا، اور آپ کی دعوت و نصیحت کو حد سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا، اور مریدوں کی تعداد بے شمار ہو گئی تو بعض علماء عصر کو رشک ہونے لگا حضرت سلطان العلما اپنے وعظ میں مذہب حکمائے یونان کی مذمت فرمایا کرتے کہ کچھ لوگوں نے کتبِ آسمانی کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے، اور فلسفیوں کے از کار رفتہ اقوال کو اپنا مسلک بنا لیا ہے، یہ لوگ کیوں کر نجات کی امید کر سکتے ہیں، اس برملا مذمت سے علماء ظاہر کے دلوں میں آپ کی طرف سے کدورت بیٹھ گئی، مگر چونکہ خوارزم شاہ آپ کا نہایت معتقد تھا، ان لوگوں کو شکایت کا موقع نہیں ملتا تھا، اتفاق کہ ایک روز سلطان آپ کی زیارت کو آیا تو دیکھا کہ مجمع نہایت کثیر ہے، ایک عالم سے جو رکاب شاہی میں تھے[1] مخاطب ہو کر کہا کہ کتنا کثیر مجمع ہے، فاضل مذکور کو موقع ملا، اور کہا کہ اگر اس کی تدبیر نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ انتظام سلطنت میں خلل واقع ہو اور تدارک مشکل ہو جائے یہ بات خوارزم شاہ کے دل میں بیٹھ گئی، اس نے پوچھا کہ کیا تدبیر کرنا چاہیے، فاضل مذکور نے

---

[1] عام طور پر تذکروں میں ہے کہ یہ مکالمہ امام فخر الدین رازی سے ہوا جو سلطان کے ساتھ تھے، مصنف صاحب المثنوی کی تحقیق ہے کہ یہ ایک "تاریخی" غلطی ہے، جو منقول چلی آرہی ہے، اس لئے کہ حضرت بہاء الدین ولد نے بلخ کو ۶۰۹ھ یا ۶۱۰ھ میں ترک کیا ہے، امام رازی نے ۶۰۶ھ میں اپنے وطن ہرات میں انتقال کیا، جہاں انھوں نے اپنے انتقال سے کئی سال پیشتر سے مستقل قیام اختیار کر لیا تھا۔ مولانا روم کے فاضل سوانح نگار بدیع الزمان فروزانفر حن کی محققانہ کتاب زندگانی و مولانا جلال الدین محمد ابھی ایران سے شائع ہو کر آئی ہے کی بھی یہی تحقیق ہے کہ یہ روایت تاریخی حیثیت سے ناقابل اعتبار ہے، اور ان کی بنیاد بھی یہی ہے کہ بہاء الدین ولد کی ہجرت بقول اکثر ۶۱۰ھ کا واقعہ ہے، اور امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ میں ہرات میں انتقال کر چکے تھے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳۔ قاضی تلمذ حسین مرحوم فرماتے ہیں، ممکن ہے یہ عالم سید بہاء الدین رازی ہوں، جو خوارزم شاہ کے مقربین میں تھے، اور طبقاتِ ناصری ص ۳۳۵ میں ان کا ذکر آتا ہے (ندوی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صلاح دی کہ خزانہ اور قلعوں کی کنجیاں مولانا کے پاس بھیج کر یہ کہلانا چاہئے کہ جمعیت و کثرت تو سب کچھ جناب کو حاصل ہے ہی، میرے پاس امور سلطنت میں سے صرف کنجیاں رہ گئی ہیں، وہ بھی حاضر ہیں۔

اس پیغام کو سن کر آپنے ارشاد فرمایا کہ "سلطانِ اسلام سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اس ملک فنا کا یہ تمام خزانہ و دفینہ، ملک و لشکر بادشاہوں کے لائق ہے، ہم درویشوں کو اس سے کیا سروکار؟ میں نہایت خوشی سے سفر کرتا ہوں کہ بادشاہ اپنے اتباع و احباب کے ساتھ یہاں باستقلال سلطنت کرے، جمعہ کو وعظ کہہ کر چلا جاؤں گا۔"

اہالی بلخ کو جب یہ حال معلوم ہوا، شہر میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہوگیا، خوارزم شاہ سخت متوہم ہوا، قاصد بھیجے، اور رات کو خود مع وزیر کے آیا کہ ارادۂ سفر سے باز رہئے، مگر آپنے قبول نہ کیا، آخر یہ استدعا کی کہ آپ اس طرح روانہ ہوں کہ لوگوں کو خبر نہ ہو، ورنہ سخت فتنہ برپا ہو جائے گا، مولانا نے اس کو منظور فرمایا، جمعہ کو وعظ کہا، اور شنبہ کو بلخ سے بغداد کی طرف روانہ ہو گئے، اس وعظ میں خوارزم شاہ کو متنبہ کر دیا کہ میرے بعد لشکر تاتار آرہا ہے۔[1]

سلطان العلماء بلخ سے اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ جس شہر کے قریب پہونچتے تھے، وہاں کے عمائد و علماء شہر سے باہر نکل کر استقبال کرتے اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتے تھے۔

بغداد و مکۂ معظمہ، دمشق اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے آپ ملاطیہ پہنچے، آقشہر میں آپنے چار سال قیام فرمایا، اور درس و تدریس میں مشغول رہے، آقشہر سے لارندہ تشریف لائے، جو توابع قونیہ سے تھا۔

مولانا قونیہ میں

علاء الدین کیقباد سلطان روم کی خواہش و درخواست پر آپ ۶۲۶ھ میں قونیہ تشریف لے گئے،

[1] بدیع الزماں فروزانفر کا رجحان یہ ہے کہ بہاء الدین ولد کی ہجرت کا اصل سبب تاتاریوں کا عزم خراسان و ایران تھا، اس اطلاع سے بڑے بڑے خاندان شرفاء و علماء ترک وطن کر رہے تھے اور محفوظ مقامات کی طرف رخت سفر باندھ رہے تھے، ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۱۵ (ندوی)

سلطان نے خود استقبال کیا، محل کے قریب گھوڑے سے اتر پڑا، اور بڑی فروتنی کا اظہار کیا، آپ نے مدرسۂ قونیہ میں قیام فرمایا، سلطان مع اکثر امراء کے مرید ہوگیا۔

حضرت بہاء الدین ولد نے قونیہ میں دو برس قیام کے بعد ۶۲۸ھ میں انتقال فرمایا۔

اس تمام مدت میں مولانا ہمیشہ اپنے والد کے ہمراہ رہے، اور علوم ظاہری و باطنی آپ سے حاصل کرتے رہے، ۲۲ برس کے سن میں آپ شہر (قونیہ) میں وارد ہوئے، جو آئندہ آپ کا مسکن و مدفن بننے والا تھا۔

قونیہ میں سلطان کے اتالیق امیر بدر الدین گہر تاش نے آپ کے تبحر علمی اور خداداد ذہانت سے متاثر ہو کر آپ کے لئے مدرسۂ خداوندگار تعمیر کیا، اور اس کے لئے بہت بڑا وقف کیا۔

سلطان علاء الدین کیقباد آپ کی بڑی تعظیم کرتا تھا، اور آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، سلطان نے جب قونیہ کا قلعہ تیار کیا تو ایک روز آپ سے سیر کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ "دفع سیل و منع خیل کے لئے اچھا ہے، مگر مظلوموں کی تیرِ دعا کا کیا علاج آپ نے سوچا ہے، جو ہزاروں، لاکھوں برجوں سے گذر جاتی، اور عالم کو خراب کر ڈالتی ہے، عدل و انصاف کا قلعہ بنائیے کہ اس میں دنیا کا امن اور عافیت کی خیر ہے"

سلطان پر اس نصیحت کا بڑا اثر ہوا۔

مولانا بہاء الدین ولد کے انتقال کے بعد سلطانِ وقت اور علماء و اکابر کے اتفاق رائے سے آپ مولانا کے جانشین ہوئے، اور آپ نے سلسلۂ درس و تدریس اور تلقین و ارشاد کو بدستور جاری رکھا، سید برہان الدین محقق ترمذی جو آپ کے اتالیق رہ چکے تھے، اور ترمذ کو چلے گئے تھے، مولانا بہاء الدین ولد کے انتقال کے بعد قونیہ تشریف لائے، مولانا آپ کے مرید ہو گئے، اور اپنے والد ماجد کے بعد مراتب سلوک آپ ہی سے طے کئے، ۹ برس مولانا کی آپ سے صحبت رہی، ۶۳۷ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

آپ کے تعلیمی سفر اور مشاغل

۶۳۰ھ میں مولانا نے مزید تکمیل علوم و اکتساب فیض کے لئے شام کا سفر کیا، اور حلب میں وارد ہوئے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان صلاح الدین کے فرزند الملک الظاہر نے قاضی بہاء الدین ابن شداد کی تحریک سے جو اجلۂ علماء میں سے تھے، ۵۹۱ھ میں متعدد بڑے بڑے مدرسے قائم کئے تھے جس کی وجہ سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا تھا۔

حلب میں مولانا مدرسہ حلاویہ میں قیام پذیر ہوئے اور کمال الدین ابن العدیم سے استفادہ کیا، مولانا یہاں اگرچہ تحصیلِ علم میں مشغول تھے، مگر آپ کے کمال کا یہ حال تھا کہ بقول سپہ سالار جو مشکل مسائل کسی سے حل نہ ہوتے تھے، وہ آپ ہی حل کرتے تھے اور ایسے وجوہ بیان کرتے تھے، جو کسی کتاب میں درج نہ ہوتے۔

حلب سے مولانا دمشق تشریف لے گئے، یہاں آپ نے مدرسہ مقدسیہ میں قیام فرمایا، دمشق اس وقت مجمع علماء تھا، سپہ سالار نے لکھا ہے کہ دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ صدر الدین قونوی سے مولانا کی صحبت رہا کرتی، اور باہم دگر حقائق و معارف بیان ہوتے تھے۔

۶۳۴ھ یا ۶۳۵ھ میں آپ نے دمشق سے واپس آ کر قونیہ میں مستقل قیام اختیار کیا، سید برہان الدین کے انتقال (۶۳۷ھ) کے بعد ۵ سال تک آپ علماء ظاہر کے لباس میں رہے اور علمی و تدریسی مشاغل میں ہمہ تن منہمک رہے، ۶۳۸ھ میں شیخ محی الدین ابن عربی نے انتقال کیا، جو بزمِ علم آپ کے گرد جمع تھی اس کے اکثر افراد قونیہ میں آ گئے، جن میں شیخ صدر الدین بھی تھے، مشرق کی طرف سے جو علماء و فضلاء وہاں کی تباہیوں سے پریشان ہو کر روم کا رخ کرتے تھے، وہ بھی اکثر قونیہ کو اپنا ملجا و ماویٰ بناتے، اس طرح قونیہ اس زمانہ میں مدینۃ العلماء بن گیا، اور ان علماء میں مولانا کی حیثیت سب سے بلند تھی، اس زمانہ میں مولانا کے وہی اشغال تھے، جو علماء ظاہر کے ہوتے ہیں، یعنی درس و تدریس، وعظ و تذکیر اور فتاویٰ نویسی، مولانا بہت زیادہ وقت شغل تدریس میں صرف کرتے، خود آپ کے مدرسہ میں چار سو سے زیادہ طلبہ تھے۔

درس و تدریس کے علاوہ مولانا کا دوسرا شغل یا فرض وعظ کہنا تھا، فتویٰ نویسی کا شغل بھی مستقل

تھا، بیت المال سے مولانا کے لئے ایک دینار مقرر تھا، اسے اسی فتویٰ نویسی کا معاوضہ تصور فرماتے تھے اور اس معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ جب فقر کا رنگ غالب ہوا، اور مجلس میں مستغرق رہنے لگے اس وقت بھی حکم تھا کہ جس وقت کوئی فتویٰ آئے فوراً خبر کی جائے، قلم و دوات ہمہ وقت ساتھ رہتا تھا۔

انقلاب حال

یہ حالت ۶۴۲ھ تک قائم رہی، اس کے بعد مولانا کی زندگی میں وہ واقعہ پیش آیا، جس نے زندگی میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا، اور مولوی جلال الدین قونوی کو مشہور روزگار مولائے روم بنا دیا، یہ واقعہ مولانا کی شمس تبریز سے ملاقات اور ان کی ذات سے شیفتگی و فنائیت تھی۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

شمس تبریز

(محمد بن علی بن ملک داد) شمس تبریز کا نسب اور وطن کیا تھا؟ آپ کے مخالفین نے جہاں اور الزامات آپ پر لگائے تھے، وہاں ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ کا نسب نامعلوم ہے۔[1]

نے در واصل و نے نسب پیداست　　　می ندانیم ہم کہ او زکجا است

آپ بچپن سے اعلیٰ استعداد اور جذبۂ عشق و محبت کے حامل تھے، "مناقب العارفین" میں خود آپ ہی کی زبانی منقول ہے کہ ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہونچے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں

[1] بعض تاریخوں میں ہے کہ آپ حسن بن صباح اسماعیلی کے جانشین و رفیق و طریق کیا بزرگ امید کی نسل سے تھے، ان کے والد جلال الدین حسن جب منصبِ امامت پر فائز ہوئے تو انھوں نے اپنے بزرگوں کا طریقہ ترک کر کے صحیح اسلامی عقائد اختیار کئے، اور نو مسلم کے لقب سے مشہور ہوئے، لیکن یہ روایات مشتبہ اور قابل بحث ہیں، ملاحظہ ہو زندگانی مولانا جلال الدین محمد ص ۵۲،۵۳ (ندوی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیس تیس چالیس چالیس روز تک آپ کو غذا کی خواہش نہیں ہوتی تھی، علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ شیخ ابوبکر سلّہ باف کے مرید ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ زین الدین سنجاسی[1] کے مرید تھے، بعض روایتوں میں دوسرے نام لئے گئے ہیں، ممکن ہے آپ نے سب سے اکتساب فیض کیا ہو۔

جب آپ کو اس طرح سیری نہ ہوئی تو آپ اطراف عالم میں مردانِ خدا کی تلاش میں پھرنے لگے، یہ سفر اس طرح کرتے تھے کہ خود آپ کی ولایت و کمال سے لوگ آگاہ نہیں ہوتے تھے، نمد سیاہ پہنتے، اور جہاں جاتے سرائے میں قیام کرتے، دروازہ میں قیمتی قفل لگا دیتے کہ لوگ سمجھیں کہ کوئی بڑا تاجر ہے، مگر اندر سوائے بوریہ کے کچھ نہ ہوتا، کثرت اسفار کی وجہ سے لوگ آپ کو "شمس پرندہ" کہنے لگے تھے، تبریز، بغداد، اردن، الروم قیصریہ و دمشق کا سفر فرمایا، معاش کا یہ طریقہ تھا کہ ازار بند بُن لیا کرتے، اور اسی کو بیچ کر کام چلاتے تھے، غذا کی کیفیت یہ تھی کہ دمشق میں ایک برس رہے، ہفتہ میں ایک پیالہ سری کا شوربا اور وہ بھی بے روغن پی لیا کرتے، کسی کو اپنی صحبت کا متحمل نہیں پاتے تھے، اکثر یہ دعا فرماتے کہ خدایا کوئی رفیق ایسا عطا کر جو میری صحبت کا متحمل ہو۔

مولانا کی ملاقات اور تغیر عظیم

آپ کے شیخ نے آپ سے فرمایا کہ روم جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے اسے روشن کر آؤ، دوشنبہ ۲۶ جمادی الاخریٰ ۶۴۲ھ کو قونیہ پہونچے، اور شکر فروشوں کے محلہ میں قیام فرمایا، ایک روز دیکھا کہ مولانا سوار چلے آرہے ہیں، اور لوگ گرد و پیش استفادہ کر رہے ہیں، شمس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ ریاضات و علوم کی غرض کیا ہے؟ مولانا نے کہا آداب و شریعت کا جاننا، شمس نے کہا نہیں، غرض یہ ہے کہ معلوم تک رسائی ہوجائے اور حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا ؎

[1] بدیع الزماں فروزانفر نے بجائے زین الدین سنجاسی کے رکن الدین سنجاسی لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ سنجاس، زنجان کے توابع میں سے ہے، ص۵۶، لیکن تاریخی حیثیت سے ان کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے، (ندوی)

علم کز تو ترا نہ بستاند ۔۔۔ جہل ازاں علم بہ بود بسیار

مولانا اس سے متغیر و متحیر ہوئے، اور تیر نشانہ پر بیٹھا۔[1]

مولانا حضرت شمس کو ہمراہ لے کر اپنے مقام پر آئے اور بقول افلاکی چالیس روز تک حضرت شمس کے ساتھ ایک حجرہ میں رہے، جس میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا تھا، سپہ سالار نے لکھا ہے کہ چھ ماہ تک صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں دونوں بزرگ عزلت نشین رہے، سوائے شیخ صلاح الدین کے کسی کی مجال نہ تھی کہ حجرہ میں داخل ہوسکے۔

شمس کی ملاقات نے مولانا کو نئی روح اور حقائق و اذواق کی نئی دنیا عطا کی وہ خود فرماتے ہیں ؎

شمس تبریزی بما راہِ حقیقت بنمود ۔۔۔ ما ز فیض قدم اوست کہ ایماں داریم

ابھی تک مولانا استاذ دوراں تھے، اور خود صاحب سجادہ تھے، اور علماء و طلبہ و صوفیہ مستفید و طالب، اب مولانا مستفید و طالب تھے، اور شمس تبریز صاحب فیض و ارشاد، مولانا کے صاحبزادہ سلطان ولد فرماتے ہیں ؎

شیخ استاذ گشت نو آموز ۔۔۔ درس خواندی بخدمتش ہر روز
گرچہ در علم فقر کامل بود ۔۔۔ علم نو بود کو بوے بہ نمود

خود مولاناؒ اپنی زبان سے فرماتے ہیں ؎

زاہد بودم ترنہ گویم کردی ۔۔۔ سرفتنۂ بزم و بادہ جویم کردی
سجادہ نشیں با وقارے بودم ۔۔۔ بازیچۂ کودکاں کویم کردی

نتیجہ یہ ہوا کہ شمس کی ملاقات کے بعد مولانا نے درس و تدریس، وعظ گوئی وغیرہ سب یک قلم

[1] صاحب المثنوی کی مختلف روایات میں سے اس روایت کو انتخاب کیا گیا ہے، یہ روایت تذکرہ دولت شاہ کی ہے، ص ۱۹۶، ۱۹۷، فروزانفر نے اس سلسلہ کی تمام روایات کو نقل کر کے ان سے بے اطمینانی کا اظہار کیا، اور شمس سے مولانا کے تاثر و فریفتگی کا سبب کسی اچانک واقعہ اور تصرف کو قرار نہیں دیا بلکہ مردانِ خدا کی تلاش عشق و اہلِ عشق سے مولانا کی مناسبت فطری کو قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو زندگانی جلال الدین محمد ص ۶۱ (ندوی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترک کردی، خود فرماتے ہیں ؎

عطار دوار دفتر پارہ بودم	زدشت او زبانے می نشستم
چو دیدم نوح پیشانی ساقی	شدم مست و قلم ہارا شکستم

شورش عام

مولانا جب اس طرح ہر بات میں حضرت شمس کی پیروی کرنے لگے، اور تمام تعلقات منقطع ہونے لگے تو یہ امر مولانا کے شاگردوں اور مریدوں پر سخت شاق گذرا، ایک شورش کی سی کیفیت پیدا ہوگئی، ایک برہمی کے ساتھ گونہ حیرت بھی شامل تھی، شمس کے حالات سے لوگ واقف نہ تھے، مریدوں کا خیال تھا کہ ہم نے عمریں مولانا کی خدمت میں گذاریں، مولانا کی کرامتوں کو دیکھا، تمام اطراف واکناف میں آپ کی شہرت کا باعث ہوئے اب ایک بے نام و نسب شخص آیا، اور مولانا کو سب سے الگ کرلیا کہ آپ کی صورت تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتی، درس و تدریس وعظ سب بند ہوگئے، ضرور یہ کوئی ساحر یا مکار شخص ہے، ورنہ اس کی کیا ہستی ہے کہ ایسے پہاڑ کو تنکے کی طرح بہالے جائے۔

غرض سب کے سب شمس کے دشمن ہوگئے، مولانا کے سامنے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اِدھر اُدھر ٹل جاتے تو برا بھلا کہتے، اور رات دن اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے کہ کسی طرح حضرت شمس کو وہاں سے نکالیں کہ پھر حسب سابق مولانا کی صحبت سے فیض یاب ہوسکیں۔

شمس کی غیبت

حضرت شمس الدین ان لوگوں کی گستاخیوں کا تحمل کرتے رہے، اور سمجھتے رہے کہ مولانا کی وفور عقیدت کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح آزردہ ہیں، مگر جب معاملہ حد سے تجاوز کرگیا، اور آپ نے سمجھ لیا کہ اب انجام اس کا

فتنہ وفساد پر ہوگا، تو آپ ایک دن خاموشی کے ساتھ قونیہ سے نکل گئے، افلاکی نے اس غیبت اول کی تاریخ روز پنجشنبہ یکم شوال ۶۴۳ھ دی ہے، اس طرح بار اول قونیہ میں آپ کا قیام سوا برس رہا۔

شمس کی جدائی مولانا پر سخت شاق گذری، مریدوں نے جو کچھ سوچا تھا، اس کے برعکس واقع ہوا، اس کے بجائے کہ شمس کے چلے جانے کے بعد مولانا ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، جو کچھ توجہ تھی، وہ بھی جاتی رہی، اور ان ناقصوں کی وجہ سے اصحاب صدق و وفا بھی مولانا کی صحبت سے محروم ہوگئے۔

مولانا کی بیقراری اور شمس کی واپسی

بقول سپہ سالار انقطاع کلی کی یہ حالت اس وقت تک قائم رہی کہ دمشق سے شمس الدین کا خط اچانک مولانا کے نام آیا، اس خط کے پانے کے بعد مولانا کی کچھ حالت بدلی اور شمس کے شوق و عشق میں سماع کی جانب متوجہ ہوئے، اور جن لوگوں نے حضرت شمس کے خلاف حرکات میں شرکت نہیں کی تھی، ان پر حسب سابق عنایت فرمانے لگے، اس عرصہ میں مولانا نے حضرت شمس کی خدمت میں چار منظوم خطوط لکھے جن میں اپنی کیفیت اور اشتیاق ملاقات کی بیتابی کا ذکر کیا ہے، پہلے نامۂ شوق میں فرماتے ہیں ؎

ایھا النور فی الفواد تعال	غایۃ الوجد والمراد تعال
ایھا السابق الذی سبقت	منک مصدوقۃ الوداد تعال
چوں بیائی زہے کشاد و مراد	چوں نیائی زہے کساد تعال
انت کالشمس اذ دنت و نأت	یا قریبا علی البعاد تعال

اس اثنا میں شورش بہت کچھ فرو ہوگئی، اطمینان ہوجانے کے بعد کہ اب لوگوں نے شمس کی مخالفت ترک کردی ہے، مولانا نے شمس کو واپس بلانے کی تدبیر کی، صاحبزادہ سلطان ولد سے فرمایا کہ تم میری طرف سے اس شاہ مقبول کی طرف جاؤ، اور یہ لے جاکر ان کے قدموں پر نثار کرو، اور میری جانب سے کہو کہ جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مریدوں نے گستاخی کی تھی، وہ سب صدق دل سے توبہ کرتے، اور التجا کرتے ہیں کہ جو خطا ہوئی درگذر فرمائیں، اور اس جانب قدم رنجہ فرمائیں، ان کے ہاتھ جو نیاز نامہ بھیجا اس میں اس مفارقت سے اپنی حالت بیان کرتے ہیں۔

کہ ازاں دم کہ تو سفر کردی — از حلاوت جدا شدیم چو موم
ہمہ شب چو شمع مے سوزیم — ز آتشش جفت وز انگبیں محروم
در فراق جمال تو ما را — جسم ویران وجان از وچوں بوم
ہاں عناں رابدیں طرف برتاب — زفت کن پیل عیش را خرطوم
بے حضورت سماع نیست حلال — ہمچو شیطان طرب شدہ مرجوم
یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نشد — تارسید آں مشرفہ مفہوم
پس بذوق سماع نامۂ تو — غزل پنج وشش بشد منظوم
شام از تو چو صبح روشن باد — اے بتو فخر شام وارمن وروم

سلطان ولد حضرت شمس کو عزت واحترام شاہانہ کے ساتھ قونیہ لائے۔

شمس کی دوبارہ غیبت

حضرت شمس کے قونیہ پہونچنے پر مولانا کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جن لوگوں سے گستاخیاں سرزد ہوئی تھیں، سب نے آ آکر معافی مانگی، ایک مدت تک یہ صحبت بے کدورت اسی طرح برقرار رہی، اس اثنا میں شمس کے ساتھ مولانا کا اخلاص واتحاد پہلے سے زیادہ بڑھتا گیا، مگر اس دورِ خرمی کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ پھر آزردگی کے اسباب پیدا ہو گئے، حضرت شمس کا قیام مولانا کے تاہل خانہ کے قریب ہی دالان "صفہ" میں ایک طرف تھا، شمس وہاں اپنی اہلیہ کے ساتھ جن سے قونیہ میں عقد ہوا تھا، مقیم تھے، مولانا کے منجھلے صاحبزادہ (چلپی علاء الدین) جب مولانا کے گھر جاتے تو اسی طرف سے ہو کر گذرتے، مولانا شمس الدین

کو یہ بات ناگوار ہوتی، کئی مرتبہ مشفقانہ طور پر سمجھایا، علاء الدین کو یہ بات شاق گزری، ان کے دل میں کچھ اس بات سے بھی کدورت تھی کہ حضرت شمس الدین سلطان ولد پر زیادہ نظرِ عنایت رکھتے ہیں اس کا چرچا لوگوں سے بھی کیا، جو لوگ اس قسم کے موقع کے منتظر تھے، انھوں نے اور بھی حاشیے چڑھائے اور کہنے لگے کہ یہ بھی خوب ہے کہ ایک بیگانہ نے آکر مولانا کے مکان پر قبضہ کر لیا ہے، اور فرزند کو گھر میں آنے نہیں دیتا۔

حضرت شمس الدین نے محض لطف وحلم کی وجہ سے مولانا سے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا، مگر جب معاملہ حد سے گزر گیا تو سلطان ولد سے بر سبیل حکایت یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے حرکات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ میں اس طرح غائب ہوں گا کہ پھر کسی کو پتہ نہ چلے گا، مولانا کی بعض غزلوں سے مترشح ہوتا ہے کہ مولانا ابھی بالکلیہ اس سے بے خبر نہ تھے، بلکہ ان کو اس کا اندیشہ تھا، اور انھوں نے اشعار میں اس سے باز رہنے کی منت سماجت کی ہے۔

بہر حال لوگوں میں حضرت شمس الدین کے خلاف خیالات پھر جوش زن ہو گئے تھے، اور آپ خود ہی آزردہ خاطر ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دفعتًہ غائب ہو گئے۔[1]

ناگہان گم شد از میان ہمہ — تارود از دل اندبان ہمہ

مولانا کی بیتابی

مولانا جب صبح کو مدرسہ تشریف لائے، اور شمس کو گھر میں نہ دیکھا تو چیخ اٹھے اور سلطان ولد

[1] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قونیہ میں کچھ لوگوں نے حضرت شمس کو قتل کر دیا، اور مولانا نے فرمایا "یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ" لیکن فروزانفر نے غیبت کی اسی روایت کو ترجیح دی ہے کہ سلطان ولد سب سے قریب تر اور حالات سے باخبر تھے ان کی روایت اس باب میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے اس لئے شمس کے قتل کی روایت قابل اعتبار نہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر شمس قتل کر دیئے گئے ہوتے، اور مولانا کو اس واقعہ کا علم ہوتا، تو ان کی تلاش میں یہ سر گردانی نہ ہوتی (زندگانی ص ۸۲-۸۳) (ندوی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلوت خانہ پر جاکر آواز دی ”بہاء الدین چہ خفتہ؟ برخیز وطلب شیخت کن کہ باز مشام جان را از فوائح لطف او خالی می یابیم۔“

دو تین روز ہر طرف جستجو کرتے رہے، مگر کہیں حضرت شمس کا پتہ نہ چلا، اس مرتبہ شمس کی غیبت سے مولانا کا حال پہلے سے بھی زیادہ متغیر ہو گیا۔

شیخ گشت از فراق او مجنون — بے سروپا ز عشق او چو ذوالنون

جو لوگ حضرت شمس کی آزردگی کا باعث ہوئے تھے، مولانا نے ان سب کو قطعاً اپنی صحبت سے خارج کر دیا، لیکن سابق کے برخلاف اس مرتبہ آپ نے غزل گوئی اور سماع میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کیا، یہ ۶۴۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت شمس کے غائب ہو جانے کے بعد مولانا نے دو روز ہر طرف آپ کی تلاش کی، مگر جب کسی طرح آپ کا کچھ پتہ نہ چلا، تو مولانا کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی، طریق سماع تو آپ پہلے ہی اختیار کر چکے تھے، اب یہ حالت ہوئی کہ ایک دم سماع کے بغیر نہیں گزرتا تھا، مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے اور آشکار و نہاں شور و فریاد کرتے تھے، تمام شہر میں غلغلہ پڑ گیا، اسی زمانہ میں مولانا نے حضرت شمس کے فراق میں بہت کثرت سے اور نہایت ہی دل دوز غزلیں کہیں، آپ کی درد انگیز فراقیہ غزلیں زیادہ تر اسی زمانہ کی ہیں۔

اس تمام جان گدازی و بے قراری کے باوجود مولانا کے دل سے یہ خیال محو نہ ہو سکا کہ رومیوں کی خانہ جنگی، مصریوں کی ترکتازی اور تاتاریوں کی تاراجی کے باعث سارا ملک تہ وبالا ہو رہا ہے، معلوم نہیں اس عالم آشوب میں حضرت شمس پر کیا گزری؟!

شمس الدین کے غائب ہو جانے کے بعد آپ کے اشتیاق میں مولانا کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص جھوٹوں بھی کہہ دیتا کہ میں نے حضرت شمس کو فلاں جگہ دیکھا ہے تو مولانا لباس تک اتار کر اس کی نذر کر دیتے شکرانہ دیتے، اور بہت کچھ اظہار شکر کرتے۔

سفر شام اور سکونِ خاطر

اسی جوش وخروش کے عالم میں مولانا نے سفر کا ارادہ کیا، اور شام کی طرف روانہ ہو گئے، آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اسی طرح دمشق پہنچے، اور وہاں بھی لوگوں کے دلوں میں آتش عشق بھڑکا دی، تمام لوگ حیران تھے کہ ایسا عالم وفاضل شخص کیوں اس طرح دیوانہ ہو رہا ہے، شمس تبریز کیا چیز ہیں، جو کہ ایسا فرد فرید ان کے پیچھے یوں مارا مارا پھر رہا ہے، یہ راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

جب دمشق میں شمس کا کچھ پتہ نہ چلا، اس وقت مولانا نے فرمایا کہ میں اور شمس دو نہیں ہیں، وہ اگر آفتاب ہیں تو میں ذرہ ہوں، وہ اگر دریا ہیں تو میں قطرہ ہوں، ذرہ کی ہستی آفتاب ہی سے ہے، اور قطرہ کی تری دریا ہی سے ہے، بس فرق کیا ہوا، چند روز بعد آپ نے شام سے روم کی جانب مراجعت فرمائی۔

چند برس قونیہ میں قیام فرمایا، مگر پھر عشق نے جوش کیا، اور کچھ لوگوں کو لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور آخر پھر... قونیہ تشریف فرما ہوئے، اور اس مرتبہ یہ خیال لے کر آئے کہ میں خود عین شمس ہوں، شمس کی جستجو کیا تھی، درحقیقت خود اپنی ہی جستجو کر رہا تھا، اس مرتبہ قونیہ اس خیال کے ساتھ واپس آئے کہ شمس میں جو کچھ تھا، وہ خود مجھ میں موجود ہے۔

اس مرتبہ دمشق سے واپس آنے کے بعد مولانا حضرت شمس کے ملنے سے بالکل مایوس ہو گئے تھے مگر جس کیفیت کو آپ شمس میں ملاحظہ فرماتے تھے، اسے اب خود اپنے میں ملاحظہ فرمانے لگے، سلطان ولد کے الفاظ ہیں کہ ”اگرچہ مولانا قدس اللہ سرہ شمس الدین تبریزی واعظم اللہ ذکرہ بصورت در دمشق نیافت بمعنی در خود بیافت زیر آں حال کہ شمس الدین را بود حضرتش را ہماں حاصل شد۔“

شیخ صلاح الدین زرکوب

دمشق سے دوسری مرتبہ واپس آنے کے بعد مولانا کچھ دنوں ساکن رہے، اس کے بعد آپ نے شیخ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاح الدین کو اپنا ہمراز و خلیفہ بنایا، ۶۴۷ھ میں آپ نے ان کو اپنا جلیس خاص بنایا، اور حضرت شمس الدین کے بجائے ان کو اپنا معین و دمساز قرار دیا۔[1]

شہ صلاح الدین زبعد شمس دین   گشت اورا اندریں درزش معین
حال و قالش از وجودش می فزود   سرہائے نادر از وے می شنود

شیخ صلاح الدین قونیہ کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، غریب الدین کی اولاد تھے، جو ماہی گیری کیا کرتے تھے، خود شیخ صلاح الدین نے زرکوبی کا پیشہ اختیار کیا، ابتدائے حال سے امانت و دیانت میں مشہور تھے، سید برہان الدین جب قونیہ آئے تو آپ ان کے مرید ہو گئے، اور ان کی نظروں میں اختصاص خاص پیدا کیا، سید کے انتقال کے بعد مولانا سے تجدید بیعت کی، انتقال سے دس برس قبل مولانا سے آپ کو وہ قرب حاصل ہوا، اس دس سالہ مدت میں آپ مولانا کے خلیفۂ خاص رہے، شیخ نے یکم محرم ۶۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔

لوگوں میں اس قرب و اختصاص سے پھر شورش پیدا ہوئی، اب لوگوں کو شکوہ تھا کہ ان سے تو شمس تبریزی ہی بہتر تھے، وہ بہرحال صاحبِ علم تھے، یہ صاحب تو یہیں کے رہنے والے ہیں، سب جانتے ہیں کہ ایک عامی آدمی ہیں، عمر بھر ورق کوٹتے رہے، اب مولانا کے رفیق بنے ہیں، حیرت ہے کہ مولانا اس رتبہ اور پایہ کے باوجود ایسے شخص کی تعظیم و تکریم میں یہ مبالغہ کرتے ہیں، شیخ نے سنا تو فرمایا کہ لوگوں کو ملال اس کا ہے کہ مولانا نے مجھے سب میں مخصوص کر لیا ہے، مگر اصل بات کو نہیں سمجھتے کہ مولانا خود اپنے پر عاشق ہیں، میں تو محض ایک حیلہ ہوں۔[2]

---

[1] فروزانفر لکھتا ہے "مولانا از دیدار شمس نومید گشت بتمامی دل و یکی ہمت رفتے در صلاح آورد و دادِ ا شیخی و خلیفتی" و سرلشکری جنود اللہ" منصوب فرمود و یاراں را بطاعت وے مامور ساخت" صہ ۹۳ (ندوی)   [2] بدیع الزماں فروزانفر "زندگانی مولانا جلال الدین محمد" میں لکھتا ہے "مولانا بکوری چشم منکران حسود، دیدہ بر صلاح الدین گماشت وبہاں عشق و دل باختگی کہ با شمس داشت باوے بنیاد نہاد و از انجا کہ صلاح الدین مرنے و رام و نرم و جذب وارشادش بنوع دیگر بود شورش و انقلاب مولانا آرام تر گردید و از بے قراری بقرار باز آمد و برائے شکستن خمار ہجران شمس از پیمانہ وجود و طلب ہائے سبک می نوشید" صہ ۱۰۲-۱۰۳۔

دس برس کی خدمت و صحبت کے بعد شیخ ناگہاں بیمار ہوئے، اور یکم محرم کو نہایت طمانیت قلب کے ساتھ اس دار غرور سے دار سرور کی طرف سفر کیا۔

چلپی حسام الدین

شیخ صلاح الدین کے انتقال کے بعد مولانا نے چلپی[1] حسام الدین ابن اخی ترک کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا، چلپی حسام الدین مولانا کے ممتاز مریدوں میں سے تھے، اور مولانا کے انتقال کے بعد ۱۱ برس تک مولانا کی خلافت کے فرائض انجام دیئے، آپ اصلاً ترک اور وطناً ارموی تھے، اور روم کے مشہور اور ذی اثر خاندان اخی سے تعلق رکھتے تھے۔[2]

حضرت شمس الدین تبریزی اور شیخ صلاح الدین سے بھی آپ کو ارادت تھی، اور ان لوگوں کے فیض سے بھی آپ بیش از بیش متمتع ہوئے تھے۔

حضرت حسام الدین چلپی نے اپنے تمام ملازموں اور غلاموں کو حکم دے دیا کہ اپنے طور پر کام کریں، آہستہ آہستہ اپنا کل مملوکہ مولانا کی خدمت میں صرف کر دیا، آخر میں غلاموں کو بھی آزاد کر دیا، مولانا کا پاس ادب اس قدر ملحوظ تھا کہ مولانا کے وضو خانہ میں کبھی وضو نہ کرتے، سخت سے سخت سردی ہوتی، برف پڑتی ہوتی، مگر گھر جا کر وضو کر کے آتے، دوسری طرف مولانا بھی آپ سے اس طرح پیش آتے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا کہ مرید ہیں۔[3]

---

[1] چلپی ترکی زبان میں سیدی کا ہم معنی ہے۔ [2] فروزانفر نے ان کی تاریخ ولادت ۶۲۲ھ لکھی ہے [3] مولانا کو جو کچھ فتوحات ہوتیں سب چلپی کے پاس بھیج دیتے، صاحبزادہ سلطان ولد نے ایک مرتبہ شکایت کی تو فرمایا کہ "واللہ باللہ تاللہ کہ اگر صد ہزار کامل زاہد احالت مخصہ واقع شود، وہم ہلاکت باشد و مار اگیتانان باشد آں راہم بحضرت چلپی فرستیم" مولانا کو ان کے بغیر انبساط و شگفتگی نہیں ہوتی تھی جس مجلس میں چلپی نہ ہوتے مولانا کی طبیعت میں جوش و گرمی نہ پیدا ہوتی اور اسرار و معرفت کی باتیں نہ کرتے، جن لوگوں کو یہ حقیقت معلوم تھی وہ مجلس میں سب زیادہ اس کا اہتمام کرتے کہ حضرت چلپی موجود ہوں، تاکہ دریائے فیض جاری ہو (ملاحظہ ہو زندگانی صہ ۱۰۵)۔ ندوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثنوی کی تحریک

مثنوی شریف کی تصنیف اسی زمانہ کا کارنامہ ہے، اس میں حضرت حسام الدین کی تحریک کو بہت بڑا دخل ہے، بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا، "مثنوی شریف کا وجود میں آنا آپ ہی کی وجہ سے ہوا"۔[1]

رفقاء کے انتخاب کا سبب

مولانا کو کسی نہ کسی رفیق کے بغیر راحت نہیں ملتی تھی، شمس الدین کے بعد صلاح الدین اور صلاح الدین کے

---

[1] فروزانفر نے لکھا ہے کہ مثنوی کی تالیف چلپی حسام الدین کی فرمائش و طلب سے ہوئی، انھوں نے لکھا ہے کہ چلپی دیکھتے تھے کہ مولانا کے احباب و متوسلین شیخ عطار و سنائی کی تصنیفات و کلام کے مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں، مولانا کی غزلیات کا اگرچہ بڑا ذخیرہ ہے، مگر اس میں حقائق تصوف و دقائق سلوک سے زیادہ مولانا کی گرمیٔ طبع و جوش عشق ہے، وہ موقع کے منتظر تھے، ایک رات مولانا کو تنہا دیکھ کر انھوں نے عرض کیا کہ کوئی کتاب حدیقہ سنائی یا منطق الطیر کے طرز پر لکھی جائے، مولانا نے سنتے ہی اپنے عمامہ سے ایک کاغذ نکالا، جس میں ۱۸ شعر لکھے ہوئے تھے، پہلا شعر وہ تھا جس کو مثنوی کا آغاز اور مطلع بننا نصیب ہوا۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند — و زجدائی ہا شکایت می کند

آخری مصرعہ تھا۔ ع

پس سخن کوتاہ باید والسلام

پس یہ مثنوی کی تالیف کا آغاز تھا، مولانا برجستہ اشعار زبان مبارک سے ادا کرتے، اور مولانا حسام الدین لکھتے جاتے، لکھ لینے کے بعد حسام الدین اس کو بلند طور پر خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے، بعض مرتبہ پوری پوری رات اسی شغل میں گزر جاتی، اور مثنوی کی تالیف شام سے صبح تک جاری رہتی، مثنوی کی جلد اول مکمل ہوئی تھی کہ حسام الدین کی اہلیہ نے انتقال کیا، اور حسام الدین کی طبیعت پر سخت اثر پڑا، اور وہ مضمحل ہو گئے، ان کے اضمحلال سے مولانا کی طبیعت بھی رک گئی، اور دو سال تک مثنوی کا سلسلہ بند رہا، پھر دوبارہ حسام الدین کی تحریک اور تقاضا سے اس کا سلسلہ شروع ہوا، اور مولانا کی وفات تک جاری رہا، یہ مدت ۱۵ سال کی تھی (زندگانی مولانا جلال الدین محمد ص ۱۱۸-۱۱۶)۔ ندوی

بعد حسام الدین آپ کے ہمراز و دمساز رہے، بلکہ سلسلۂ خیال کو اور آگے بڑھایا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ سید برہان الدین ترمذی بھی اسی زمرہ میں داخل تھے اگرچہ دوسری حیثیت سے تھے، سید موصوف کے انتقال اور شمس کی آمد کے درمیان پانچ برس کا زمانہ مولانا نے اس طرح گزارا گویا اس دوران میں آپ کچھ کمی محسوس کرتے تھے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولانا کے باطن میں جو کمالات مخفی تھے ان کے اظہار کے لئے کسی نہ کسی محرک کی ضرورت تھی، "دیوان و مثنوی" انہی حضرات کی تحریک باطنی کے شواہد ظاہری ہیں صرف حسام الدین کی عدم فرصت کی وجہ سے مثنوی شریف کی تصنیف دو برس معلق رہی۔

مولانا نے جن اصحاب کو اپنی ہم نشینی کے لئے منتخب کیا، ان کے انتخاب کی وجہ کشف و کرامت نہیں تھی، آپ کا قول اور مسلک یہ تھا کہ محبت کا سبب جنسیت ہوا کرتی ہے، خود مولانا نے سلطان ولد کے سوال پر فرمایا کہ میں مناسبت جنسیت کی وجہ سے ان کو خاص طور پر دوست رکھتا ہوں، فرمایا کہ جو محبت مناسبت کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا نتیجہ پشیمانی نہیں ہوتا، حقیقی محبت اور مناسبت سے دنیا و آخرت کہیں بھی پشیمانی نہیں ہوتی، چنانچہ اہل غرض دوستوں کو آخرت میں یہ تمنا ہوگی کہ "يَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا" محبان متقی کی صفت یہ ہوگی "اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ"۔

خود فرماتے ہیں:-

موجب ایماں نہ باشد معجزات — لیک جنسیت بود جذب صفات

مولانا کی وفات

سپہ سالار کا قول ہے کہ مولانا کے انتقال سے قبل قونیہ میں چالیس روز زلزلہ آتا رہا، افلاکی کا بیان ہے کہ مولانا ہنوز صاحب فراش تھے کہ سات روز برابر زلزلہ رہا، تمام لوگ عاجز آ گئے، مولانا سے طلب امداد کی، فرمایا زمین بھوکی ہوگئی ہے، لقمہ چرب چاہتی ہے، جلد کامیاب ہو جائے گی، اور یہ زحمت تم لوگوں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفع ہو جائے گی اور اس زمانہ میں یہ غزل ارشاد فرمائی :۔

با این ہمہ مہر و مہربانی — دل می دہدت کہ خشم رانی

دیں جملہ شیشہ ہائے جان را — در ہم شکنی بہ لن ترانی

چلپی حسام الدین کی روایت ہے کہ ایک روز شیخ صدر الدین اکابر درویشوں کے ساتھ مولانا کی عیادت کو آئے، مولانا کی حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور فرمایا خدا شفائے عاجل عطا فرمائے، امید ہے کہ صحت کلی حاصل ہو جائے گی، مولانا نے فرمایا، اب شفا آپ ہی کو مبارک ہو، عاشق و معشوق میں بال کا پیراہن رہ گیا ہے کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور، نور میں شامل ہو جائے۔

مرض ہی میں یہ غزل شروع کی، حسام الدین چلپی لکھتے جاتے تھے، اور روتے جاتے تھے۔

رو سر بنہ بہ بالین تنہا مرا رہا کن — ترک من خراب شب گرد مبتلا کن

ماییم و موج سودا شب تا بروز تنہا — خواہی بیا ببخشا خواہی برو جفا کن

از من گریز تا تو ہم در بلا نیفتی — بگزیں رہ سلامت ترک رہ بلا کن

ماییم و آب دیدہ در کنج غم خزیدہ — بر آب دیدۂ ما صد جائے آسیا کن

خیرہ کشی است ما را دارد دلے چو خارا — بکشد کشش نہ گوید تدبیر خوں بہا کن

بر شاہ خوبرویان واجب وفا بنا شد — اے زرد روئے عاشق تو صبر کن وفا کن

دردیست غیر مردن کانرا دوا بنا شد — پس من چگونہ گویم کاں درد را دوا کن

در خواب دوش پیری در کوئے عشق دیدم — با دست اشارتم کرد کہ عزم سوئے ما کن

عین انتقال کے قریب فرمایا :۔

گر مومنی و شیریں ہم مومنست مرگت — در کافری و تلخی ہم کافرست مردن

۵ رجمادی الاخری ۶۷۲ھ کو بوقت غروب آفتاب حقائق و معارف بیان فرماتے ہوئے انتقال

فرمایا، انتقال کے وقت مولانا کی عمر ۶۸ برس تین ماہ کی تھی۔

جنازہ کو جب باہر لائے قیامت کا ازدحام برپا ہوا، ہر قوم و ملت کے لوگ ساتھ تھے، اور سب روتے جاتے تھے، یہودی اور عیسائی توریت و انجیل پڑھتے جاتے تھے، مسلمان ان کو ہٹاتے مگر وہ باز نہیں آتے تھے، فساد کا اندیشہ ہوا جب یہ خبر پروانہ[1] کو پہونچی، تو اس نے راہبوں اور قسیسوں سے پوچھا کہ تمھیں اس امر سے کیا تعلق ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے انبیائے سابقین کی حقیقت کو انہی کے بیان سے سمجھا اور اولیائے اکمل کی روش کو انہی کی روش سے جانا، وہ لوگ اسی طرح تابوت کے ساتھ رہے، ہجوم کی حالت یہ رہی کہ تابوت صبح سویرے مدرسہ سے روانہ ہوا تھا، اور شام کے قریب قبرستان پہونچا، آخر بوقت شب یہ آفتاب فقر و تصوف دیدۂ ظاہر سے نہاں ہو گیا۔

اخلاق و خصوصیات

مولانا شبلی مرحوم سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں :۔

"مولانا جب تک تصوف کے دائرہ میں نہیں آئے، آپ کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال کی ایک شان رکھتی تھی، ان کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلبہ بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا سلاطین و امراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا، لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی، درس و تدریس، افتاء و افادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا، لیکن وہ پچھلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی، ورنہ زیادہ تر جہت و معرفت کے نشہ میں سرشار رہتے۔"

ریاضت و مجاہدہ

ریاضت و مجاہدہ حد سے بڑھا ہوا تھا، سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں، ان کا بیان ہے کہ

[1] معین الدین پروانہ حاکم قونیہ۔

محكم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے کبھی ان کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا، بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قصداً لیٹتے نہیں تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سوجاتے، ایک غزل میں فرماتے ہیں:۔

چہ آساید بہر پہلو کہ خسپد　　کسے کز خار دارد او نہالین

سماع کے جلسوں میں مریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو ان کے لحاظ سے دیوار سے ٹیک لگا کر زانو پر سر رکھ لیتے کہ وہ لوگ بے تکلف ہو کر سو جائیں، وہ لوگ پڑ کر سو جاتے تو خود اٹھ بیٹھتے، اور ذکر و شغل میں مصروف ہوتے، ایک غزل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد　　ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد

خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز ناید　　خواب من زہر فراق تو بنوشید و بمرد

روزہ اکثر رکھتے تھے، اور مسلسل کئی کئی روز کچھ نہ کھاتے تھے۔

نماز کی کیفیت

نماز کا وقت آتا تو فوراً قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا، نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا، سپہ سالار کہتے ہیں کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اول عشا کے وقت سے نیت باندھی، اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی، مولانا نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:۔

چو نماز شام ہر کس بنہد چراغ و خوانے　　منم و خیال یارے غم و نوحہ و فغانے

چو وضو ز اشک سازم بود آتشیں نمازم　　در مسجدم بسوزد چو در رسد اذانے

عجبا نماز مستاں تو بگو درست ہست آں　　کہ نداند او زمانے نہ شناسد او مکانے

عجبا دو رکعت ست ایں عجبا چہارم ست ایں　　عجبا چہ سورہ خواندم، چو نداشتم زبانے

در حق چگونہ کوبم؟ کہ نہ دست ماند و نہ دل　　دل دوست چوں تو بردی بدہ اے خدا امانے

بخدا خبر ندارم چو نماز می گزارم　　کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر یخ ہوگئے، لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔

زہد و قناعت

مزاج میں انتہا درجہ کا زہد و قناعت تھی، تمام سلاطین و امراء نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے، لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، جو چیز آتی، اسی طرح صلاح الدین زرکوب یا چلپی حسام الدین کے پاس بھجوا دیتے، کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں نہایت تنگی ہوتی، اور مولانا کے صاحبزادہ سلطان ولد اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے، جس دن گھر میں کھانے کا سامان کچھ نہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بو آتی ہے۔

فیاضی و ایثار

فیاضی و ایثار کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل سوال کرتا تو عبا یا کرتا یا جو کچھ بدن پر ہوتا اتار کر دے دیتے، اسی لحاظ سے کرتا عبا کی طرح سامنے سے کھلا ہوتا تھا کہ اتارنے میں زحمت نہ ہو۔

بے نفسی اور فنائیت

ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ راہ میں جا رہے تھے، ایک تنگ گلی میں ایک کتا سر راہ سو رہا تھا، جس سے راستہ رک گیا تھا، مولانا وہیں رک گئے، اور دیر تک کھڑے رہے، ادھر سے ایک شخص آ رہا تھا، اس نے کتے کو ہٹا دیا، مولانا نہایت آزردہ ہوئے اور فرمایا کہ ناحق اس کو تکلیف دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ دو شخص سرِ راہ لڑ رہے تھے، اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ او لعین! تو ایک کہے گا تو دس سنے گا، اتفاق سے مولانا کا ادھر گزر ہوا، آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہے مجھ کو کہو کہ تم مجھ کو اگر ہزار کہوگے تو ایک بھی نہ سنوگے، دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے، اور آپس میں صلح کر لی۔

کسبِ حلال

معاش کا یہ طریقہ تھا کہ اوقاف کی مد سے پندرہ دینار ماہوار روزینہ مقرر تھا، چونکہ مولانا مفت خوری کو نہایت ناپسند کرتے تھے، اس لئے اس کے معاوضہ میں فتویٰ لکھا کرتے تھے، مریدوں کو تاکید تھی کہ اگر کوئی فتویٰ لائے تو گو میں کسی حالت میں ہوں، ضرور خبر کردو تاکہ یہ آمدنی مجھ پر حلال ہو۔

ایک دفعہ کسی نے کہا کہ شیخ صدر الدین کو ہزاروں روپیہ کا وظیفہ ہے، اور آپ کو کل پندرہ دینار ماہوار ملتے ہیں، مولانا نے کہا کہ شیخ کے مصارف بھی بہت ہیں، اور حق یہ ہے کہ یہ پندرہ دینار بھی انہی کو ملنے چاہئیں۔

اہلِ دنیا سے یکسوئی

مولانا کو بالطبع امراء و سلاطین سے نفرت تھی، صرف حسنِ خلق کی وجہ سے ان سے مل لیتے تھے، ورنہ ان کی صحبتوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے، ایک دفعہ ایک امیر نے معذرت کی کہ اشغال سے فرصت نہیں ہوتی، اس لئے کم حاضر ہوسکتا ہوں، معاف فرمائیے گا، فرمایا۔

"معذرت کی ضرورت نہیں، میں آنے کی بہ نسبت نہ آنے سے زیادہ ممنون ہوتا ہوں[1]۔"

مثنوی معنوی اور اس کا علمی و اصلاحی مقام و پیغام

مثنوی معنوی

مولانا کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے پُرجوش طبیعت پائی تھی، عشق ان کی فطرت

۱؎ سوانح مولانا روم باختصار و خفیف تغیر۔

میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، ظاہری علم اور عقلیات کے توغل نے اس آگ کو دبا رکھا تھا، شمس تبریز کی آتشین صحبت نے ان کی فطرت کو چھیڑ دیا، اور تربیت و ماحول نے اس پر جو پردے ڈال دیئے تھے، وہ دفعۃً اٹھ گئے، اور وہ سراپا سوز و ساز بن گئے۔

شعلہا آخر ز ہر مویم دمید — از رگِ اندیشہ ام آتش چکید[1]

اس مقام پر پہونچ کر عارف کے ہر بُن مو سے صدا آتی ہے کہ۔

در جہان یارب ندیم من کجاست — نخلِ سینایم کلیم من کجاست[2]

یہی وجہ تھی کہ ہمدم و ہمراز کے بغیر ان کے لئے جینا محال تھا، شمس تبریز کے بعد جب تک ان کو صلاح الدین زرکوب اور صلاح الدین زرکوب کے بعد جب تک ان کو حسام الدین چلپی نہیں مل گئے، ان کی بے قرار طبیعت کو سکون نہیں ہوا۔ ع

شمع را تنہا طپیدن سہل نیست

یہی آتش سوزاں تھی جو ان کو کشاں کشاں سماع کی طرف لے جاتی تھی، اور وہ اس سے قوت اور غذا حاصل کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع — کہ ازو باشد خیالِ اجتماع
قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر — بلکہ صورت گردد از بانگِ صفیر[3]
آتشِ عشق از نواہا گرد تیز — آنچنانکہ آتشِ آں جوز ریز[4]

اسی سوز نے ان کے ساز کو چھیڑا اور خاموش رہنا ان کے لئے ناممکن کر دیا اس لئے ان کے بقول۔

جوشِ نطق از دل نشانِ دوستیست — بستگیِ نطق، از بے الفتی است
دل کہ دلبر دید کے ماند ترش — بلبلِ گل دیدہ کے ماند خمش[5]

۱؎ اقبال در مثنوی اسرار خودی ۲؎ ایضاً ۳؎ مثنوی ص ۳۱۹، نول کشور اشاعت نہم ۴؎ ایضاً ۵؎ ایضاً ص ۵۵۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ساز سے جو نغمے نکلے ان کے مجموعے کا نام مثنوی ہے' یہ ان کے خیالات و حالات' واردات و تاثرات اور مشاہدات و تجربات کا آئینہ ہے' اس میں صاحبِ کلام کا سوز و درد' جوش و مستی' اور ایمان و یقین بھرا ہوا ہے' اور یہی اس کی عالمگیر مقبولیت اور بے نظیر تاثیر کی اصل وجہ ہے۔ ع

ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو[1]

عقلیت و ظاہر پرستی پر تنقید

مولانا کا علمی نشو و نما تمام تر اشاعرہ کے علمی ماحول میں ہوا تھا، وہ خود ایک کامیاب مدرس اور معقولی عالم تھے توفیقِ الٰہی نے جب ان کو معرفت و آگہی کے مقام تک پہونچایا، اور قال سے حال، خبر سے نظر، الفاظ سے معانی، اور اصطلاحات و تعریفات کے لفظی طلسم سے ترقی کر کے حقیقت و مغز تک پہونچے تو ان کو فلسفہ و علمِ کلام کی کمزوریوں اور استدلال و قیاس کی غلطیوں کا اندازہ ہوا، اور فلاسفہ و متکلمین اور اہلِ استدلال کی بے بضاعتی اور حقیقت ناشناسی کی حقیقت ان پر منکشف ہوگئی، تو انھوں نے بڑی قوت اور وضاحت کے ساتھ علمِ کلام پر تنقید کی، وہ چونکہ اس کوچہ کے ذرہ ذرہ سے آشنا ہیں، اس لئے وہ جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان کا ذاتی تجربہ و مشاہدہ ہوتا ہے، اور اس کی واقعیت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اس عصر کے فلسفہ و عقلیات کا سب سے زیادہ زور حواسِ ظاہری پر تھا، ان حواسِ خمسہ کو علم اور حصولِ یقین کا سب سے زیادہ مستند اور قابلِ وثوق ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اور جو چیز ان کی گرفت میں نہ آسکے، اور ان کے ذریعہ اس کی تصدیق نہ ہو سکے، اس کی نفی اور اس کے انکار کی طرف رجحان روز بروز ترقی کر رہا تھا، معتزلہ اس "حسیت" کے سب سے بڑے نقیب تھے، اس حواس پرستی نے ایمان بالغیب کو بہت نقصان پہنچایا تھا، اور شریعت اور وحی کے پیش کئے ہوئے حقائق کی طرف سے ایک طرح کی بے اعتمادی پیدا کر دی

[1] اقبال بالِ جبریل۔

تھی' مولانا اس حواس پرستی اور اس کے پر جوش وکیلوں پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

چشمِ حس را ہست مذہب اعتزال	دیدۂ عقل است سنی در وصال
سخرۂ حس اند اہلِ اعتزال	خویش را سنی نمایند از ضلال
ہر کہ در حس ماند او معتزلی است	گرچہ گوید سنیم از خامی است
ہر کہ بیروں شد ز حس سنی ویست	اہلِ بینش اہلِ عقل خویش بیست[1]

انھوں نے جا بجا ثابت کیا ہے کہ ان حواسِ ظاہری کے علاوہ انسان کو کچھ حواسِ باطنی عطا ہوئے ہیں، یہ حواسِ باطنی حواسِ ظاہری کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع اور وقیع ہیں، فرماتے ہیں:۔

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس	آں چو زر سرخ وایں حسہا چو مس۔
اندراں بازار کاہل محشر اند	حسِ مس را چوں حسِ زر کے خرند
حسِ ابداں قوتِ ظلمت می خورد	حسِ جان از آفتابے می چرد[2]

ان کے نزدیک کسی چیز کے انکار کے لئے یہ ثبوت بالکل کافی نہیں کہ وہ دیکھنے میں نہیں آتی، یا حواس اس کی تصدیق نہیں کرتے' ان کے نزدیک باطن ظاہر کے پیچھے نہاں اور دوا میں فائدہ کی طرح اس میں پنہاں ہے، منکرینِ باطن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

حجتِ منکر ہمی آید کہ من	غیر ازیں ظاہر نمی بینم وطن
ہیچ نندیشد کہ ہر جا ظاہر است	آں ز حکمت ہائے پنہاں مخبر است
فائدہ ہر ظاہرے خود باطنیست	ہمچو نفع اندر دوا ہا مضمریست[3]

ان کا کہنا ہے کہ منکرین اپنی اس ظاہر بینی اور کوتاہ نظری کی عادت کی وجہ سے ان حقائقِ باطنی کی دید سے محجوب اور اصل غایت و مقصد سے محروم ہیں:۔

[1] مثنوی ص۱۰۱ [2] ایضاً [3] ایضاً ص۳۶۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ ظاہر ہا گرفتند احمقاں　　آں دقائق شد ازیشاں بس نہاں

لاجرم محجوب گشتند از غرض　　کہ دقیقہ فوت شد در مفترض[1]

حواس سے آگے بڑھ کر وہ عقل پر بھی تنقید کرتے ہیں کہ عالمِ غیب کے حقائق اور انبیاء کے علوم و معارف کے بارہ میں عقل بھی کوتاہ اور نارسا ہے، اس کے پاس قیاس کی کوئی بنیاد نہیں، اور وہ اس عالم کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، دریائے شور کا رہنے والا آبِ شیریں کا کیا اندازہ کر سکتا ہے؟

اے کہ اندر چشمۂ شور است جات　　تو چہ دانی شطّ و جیحون و فرات[2]

وہ اس عقل کو جو محسوسات اور مقدمات کی پابند ہو عقلِ جزوی کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان کے نزدیک اوہام و شکوک اس کا ثمرہ، عالمِ ظلمات اس کا وطن ہے، وہ عقل کے لئے باعثِ بدنامی اور انسان کے لئے سبب ناکامی ہے، اس عقلِ جزوی سے دیوانگی اچھی!

عقلِ جزوی آفتش وہم ست و ظن　　زانکہ در ظلمات شد او را وطن[3]

عقلِ جزوی عقل را بدنام کرد　　کامِ دنیا مرد را بے کام کرد[4]

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن　　دست در دیوانگی باید زدن[5]

وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود اس عقل دور اندیش کا تجربہ کیا ہے، اور اس نتیجہ تک پہونچا ہوں۔

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را[6]

پھر وہ ایک سیدھی اور عام فہم بات کہتے ہیں کہ اگر عقل دینی حقائق و معارف کے ادراک کے لئے کافی ہوتی تو اہلِ منطق و استدلال اور ائمۂ کلام سب سے بڑے عارف اور دین کے محرم اسرار ہوتے۔

اندریں بحث از خرد رہ بیں بُدے　　فخر رازی رازدارِ دین بُدے[7]

ان کے نزدیک انسانوں کے ساختہ پرداختہ علوم، علمِ حقیقی کے لئے حجاب اور سالک کے لئے

۱ے مثنوی ص۴۲۲ ۔ ۲ے ایضاً ص۹۶ ۔ ۳ے ایضاً ص۲۳۴ ۔ ۴ے ایضاً ص۴۰۲ ۔ ۵ے ایضاً ص۱۵۲ ۔ ۶ے ایضاً ص۱۵۲ ۔ ۷ے ایضاً ص۴۸۹

انتشار و اضطراب کا موجب ہیں، اس لئے یقین و معرفت کے لئے ان میں اضافہ و ترقی کے بجائے کمی اور ان سے گلوخلاصی کی ضرورت ہے، فرماتے ہیں:۔

گر تو خواہی کت شقاوت کم شود　　جہد کن تا از تو حکمت کم شود

حکمتے کز طبع آید و ز خیال　　حکمتے بے فیض نور ذوالجلال

حکمتے دنیا فزاید ظن و شک　　حکمتِ دینی بُرد فوق فلک[1]

ان کے خیال میں استدلال مقدمات کی ترتیب اور نتیجہ کا استخراج ایک مصنوعی طریقہ ہے اور اس سے بہت محدود اور ناقص نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں اس سے دینی حقائق کا ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے، جیسے لکڑی کے مصنوعی پاؤں کے ذریعہ آزادانہ چلنا پھرنا اور سفر طے کرنا، ان کی یہ تمثیل ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے، اور زبان زد خاص و عام ہے کہ:۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود[2]

ان کے نزدیک علم کلام اور متکلمانہ بحث و استدلال سے یقین کی کیفیت اور حلاوت ایمانی حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کہ متکلم جو تقلیداً متقدمین کے دلائل و براہین کو نقل کر دیتا ہے، اور آموختہ سا سنا دیتا ہے، خود بے روح، اور ذوق و کیفیاتِ یقین سے محروم ہے۔

آں مقلد صد دلیل و صد بیان　　بر زبان آرد ندارد ہیچ جان

چونکہ گوینده ندارد جان و فر　　گفت او را کے بود برگ و ثمر[3]

وہ اس عقلِ جزوی کے بجائے جو محسوسات و معلومات اور تجربات کی پابند اور دنیا کے اندر محدود ہے، اس عقلِ ایمانی کے قائل ہیں، جو خود عقل کے لئے رہنما اور اس کے لئے چراغ راہ ہے، اور حواس سے وہ نسبت رکھتی ہے، جو عقلِ جزوی جسم کے ساتھ، اور حس کے بغیر یہ عقل عقل کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے اس کو عقلِ عقل

۱ے مثنوی ص۱۷۱ ۲ے ایضاً ص۵۵ ۳ے ایضاً ص۴۶۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہہ سکتے ہیں یہ عقلِ عقل ان لوگوں کا حصہ ہے، جو نورِ ایمان اور دولتِ یقین سے بہرہ ور ہیں۔

بند معقولات آمد فلسفی　　شہسوارِ عقلِ عقل آمد صفی[1]

عقلِ جزوی سے انسان کے دفتر کے دفتر سیاہ ہیں، عقلِ عقل سے عالم مطلعِ انوار ہے۔

عقل دفترہا کند یکسر سیاہ　　عقلِ عقل آفاق دارد پُر زماہ

از سیاہی و سپیدی فارغ است　　نورِ ماہش بر دل و جاں بازغ است[2]

عقلِ ایمانی شہر کے لئے پاسبان کا حکم رکھتی ہے، عقلِ جزوی کا تقاضا خوف و ہراس اور دنیا کے اندیشے ہیں، عقلِ ایمانی کا تقاضا اطمینان و سکون اور خواہشاتِ نفس سے حفاظت ہے۔

عقلِ ایمانی چو شحنہ عادل است　　پاسبان و حاکمِ شہرِ دل است

عقل در تن حاکمِ ایمان بود　　کہ ز بیمش نفس در زندان بود[3]

ان کے نزدیک جس طرح حواس عقل کے تابع اور محکوم ہیں، اسی طرح عقل پر روح کو تفوق اور حکومت حاصل ہے، روح ایک اشارہ میں عقل کی سیکڑوں گرہیں کھول دیتی ہے، اور چٹکیوں میں اس کی مشکل آسان کر دیتی ہے۔

حس اسیرِ عقل باشد اے فلاں　　عقل اسیرِ روح باشد ہم بداں

دست بستہ عقل را جان باز کرد　　کارہائے بستہ را ہم ساز کرد[4]

فلسفی ادنیٰ معقولات اور ابتدائی معلومات کی منزل سے آگے نہیں بڑھتا، اس کی عقل نے ابھی دروازہ سے باہر قدم ہی نہیں نکالا ہے۔

فلسفی گوید ز معقولات دون　　عقل از دہلیز می ناید بروں[5]

فلسفی خود اپنی عقل و فکر کا مارا ہوا ہے، وہ ایسا بدقسمت مسافر ہے کہ اس کی پشت منزل کی طرف اور رُخ صحرا کی طرف ہے اس لئے وہ جس قدر تیز قدم بڑھاتا ہے منزلِ مقصود سے دور ہو جاتا ہے۔

[1] مثنوی ص ۲۴۶　[2] ایضاً ص ۲۲۶　[3] ایضاً ص ۳۴۷　[4] ایضاً ص ۲۳　[5] ایضاً ص ۸۲

فلسفی خود را از اندیشہ بکشت　　گو بدو کو را سوئے گنج است پشت

گو بدو چنداں کہ افزوں می دود　　از مرادِ دل جداتر می شود[1]

فلسفی دنیا کے علوم سے باخبر، بڑا وسیع النظر، صدہا چیزوں سے آشنا، مگر اپنے سے ناآشنا ہے، حالانکہ سب سے بڑا علم خود شناسی ہے۔

صد ہزاراں فضل دارد از علوم　　جانِ خود را می نداند ایں ظلوم

داند او خاصیتِ ہر جوہرے　　در بیانِ جوہرِ خود چوں خرے

قیمتِ ہر کالہ می دانی کہ چیست　　قیمتِ خود را ندانی ز احمقیست

جانِ جملہ علمہا ایں ست ایں　　کہ بدانی من کیم در یومِ دیں[2]

وہ اپنے زمانہ کے عالم و متکلم کو حکمتِ یونانی سے حکمتِ ایمانی کی طرف ہجرت کی دعوت دیتے ہیں، جو حقیقی علم اور حکمت ہے۔

چند چند از حکمتِ یونانیاں　　حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں[3]

وہ کہتے ہیں کہ تزکیۂ نفس سے صحیح معرفتِ نفس حاصل ہوگی، لوحِ دل جتنی صاف ہوگی، حکمتِ ایمانی کے نقوش اتنے ہی روشن اور اجاگر ہوں گے، اس وقت بغیر کتاب و استاد کے انبیاء علیہم السلام کے علوم و معارف وارد ہوں گے، اور حکمت کے دہانے کھل جائیں گے۔

خویش را صافی کن از اوصافِ خود　　تا بہ بینی ذاتِ پاکِ صافِ خود

بینی اندر دل علومِ انبیاء　　بے کتاب و بے معید و اوستا[4]

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک　　نقشہا بینی بروں از آب و خاک

[1] مثنوی ص ۵۴۴　[2] ایضاً ص ۴۴۹　[3] ایضاً ص ۸۶　[4] ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزنِ دل گر گشادست و صفا — می رسد بے واسطہ نورِ خدا

دعوتِ عشق

ساتویں صدی میں علم کلام اور عقلیت کی جو سرد ہوا عالمِ اسلام میں مشرق سے مغرب تک چلی تھی، اس سے دل کی انگیٹھیاں سرد ہو گئی تھیں، اگر کہیں عشق کی چنگاریاں تھیں تو راکھ کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی تھیں، ورنہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک افسردہ دلی بلکہ مردہ دلی چھائی ہوئی تھی، اور کہنے والا دیر سے کہہ رہا تھا کہ۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اس سرد اور خواب آور فضا میں مولانا نے "عشق" کی صدا بلند کی، اور اس زور سے بلند کی کہ ایک بار عالمِ اسلام کے جسم میں بجلی سی کوند گئی۔

مولانا نے کھل کر عشق کی دعوت دی اور محبت کی کرامت اور عشق کی کرشمہ سازیاں بیان کیں۔

از محبت تلخہا شیریں شود — وز محبت مسہا زریں شود
از محبت دردہا صافی شود — وز محبت دردہا شافی شود
از محبت سجن گلشن می شود — بے محبت روضہ گلخن می شود
از محبت سنگِ روغن می شود — بے محبت موم آہن می شود
از محبت سقم صحت می شود — وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت مردہ زندہ می شود — وز محبت شاہ بندہ می شود[1]

وہ عشق کی طاقت و نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

[1] مثنوی ص ۱۳۴

جسمِ خاک از عشق برافلاک شد — کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جانِ طور آمد عاشقا — طور مست و خرّ موسیٰ صعقا[1]

وہ فرماتے ہیں، عشق نہایت غیور و خوددار ہے، وہ ہفت اقلیم کی سلطنت کو خاطر میں نہیں لاتا، جس نے ایک بار اس کا مزہ چکھ لیا، اس نے پھر کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی[2]

وہ دو عالم سے بیگانہ اور دنیا کا سب سے بڑا مست و دیوانہ ہے۔

با دو عالم عشق را بیگانگی — اندرو ہفتاد و دو دیوانگی[3]

وہ شاہوں کا شاہ اور مطلوبوں کا مطلوب ہے، بادشاہوں کے تخت و تاج اس کے قدموں کے نیچے ہیں۔

سخت پنہاں است و پیدا حیرتش — جان سلطانانِ جاں در حسرتش
غیرِ ہفتاد و دو ملت کیشِ او — تختِ شاہاں تختہ بندے پیشِ او[4]

اس فقرِ جسور اور عشقِ غیور کا جب وہ تذکرہ کرنے لگتے ہیں تو خود ان پر جوش و سرمستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور وہ بیخود ہو کر کہنے لگتے ہیں۔

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال — ما غلامِ ملکِ عشقِ بے زوال[5]

وہ کہتے ہیں کہ عشق کی ہی وہ بیماری ہے جس سے بیمار کبھی شفا نہیں چاہتا، بلکہ اس میں اضافہ و ترقی ہی کی دعا کرتا ہے۔

جملہ رنجوراں شفا جویند و این — رنج افزون جوید و دردِ چنین
خوشتر زین سم ندیدم شربتے — زین مرض خوشتر نباشد صحتے[6]

لیکن وہ ایسی بیماری ہے کہ پھر کوئی بیماری نہیں ہوتی۔

[1] مثنوی ص۵ [2] اقبال (بالِ جبریل) [3] ایضاً ص۲۴۷ [4] ایضاً ص۲۴۷ [5] ایضاً ص۵۹۱ [6] ایضاً ص۵۹۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آں کلامت می رہاند از کلام　　وان سقامت می جہاند از سقام[1]

بیماری بھی ایسی بیماری ہے کہ ہزار صحتیں اس پر قربان، اس کی کلفت ایسی کلفت ہے کہ ہزاروں راحتیں اس پر نثار۔

پس مقامِ عشق جانِ صحت است　　رنجہا یش حسرتِ ہر راحت است[2]

یہ عشق پاکباز اگر گناہ ہے تو ایسا گناہ ہے کہ طاعتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں، اس سے ایک گھڑی میں جو ترقی حاصل ہوتی ہے، وہ سالہا سال کی ریاضت سے میسر نہیں۔

زین گنہ بہتر نباشد طاعتے　　سالہا نسبت بدین دم ساعتے[3]

راہ عشق میں جو خون بہے وہ کسی پانی سے کم پاک نہیں، شہید عشق کو ہمارے غسل و وضو کی ضرورت نہیں۔

خونِ شہیدان را ز آب اولیٰ تر است　　این خطا از صد صواب اولیٰ تر است[4]

عاشق وہ جگر سوختہ و دل باختہ ہیں کہ ان پر عام انسانوں کے قوانین جاری نہیں کیے جا سکتے، جو گاؤں سراسر ویران ہو گیا ہو اس پر خراج کیسا؟

عاشقان را ہر نفس سوزید نیست　　بردہ ویران را خراج و عشر نیست[5]

عشق آدمؑ کی میراث اور زیرکی و چالاکی شیطان کا سرمایہ ہے۔

داند آں کو نیک بخت و محرم است　　زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است[6]

زیرکی و چالاکی میں اپنے دست و بازو (عقل و خرد) پر اعتماد ہوتا ہے، عشق میں کسی کے دامن سے وابستگی ہوتی ہے اور سپردگی، زیرکی و چالاکی، شناوری، (پیراکی) کا فن ہے، "عشق"، کشتی نوح، زیرک و چالاک کو اس طوفان میں بچتے اور ساحل تک پہنچتے اور صاحبِ عشق کو غرق ہوتے کب دیکھا گیا ہے؟

زیرکی سباحی آمد در بحار　　کم زہد، غرق است او پایان کار

[1] مثنوی ص۵۹۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً ص۱۳۹ [5] ایضاً [6] ایضاً ص۳۳۴

عشق چوں کشتی شود بہر خواص　　کم بود آفت، بود اغلب خلاص[1]

عقل کی ہوشمندی عشق کی حیرانی پر قربان کر دینے کے قابل ہے، وہ ہوشمندی محض ظن و قیاس ہے، اور یہ حیرانی مشاہدہ و عرفان۔

زیرکی بفروش و حیرانی بجز　　زیرکی ظنیست، حیرانی نظر[2]

مولانا عشق کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبوب بننا تو ہر ایک کے بس میں نہیں لیکن عاشق بننا ممکن ہے، اگر خدا نے تم کو محبوب نہیں بنایا ہے تو تم عاشق بن کر زندگی کا لطف حاصل کرو۔

تو کہ یوسف نیستی، یعقوب باش　　ہمچو او با گریہ و آشوب باش

تو کہ شیریں نیستی فرہاد باش　　چوں نئی لیلیٰ تو مجنوں گرد فاش[3]

وہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عاشق بننے میں جو مزہ ہے، اور ترقی ہے، وہ محبوب بننے میں کہاں؟ اگر محبوبانِ عالم کو اس دولتِ سرمد کا پتہ چل جائے، محبوبوں کی صف سے نکل کر "عشاق" کی صف میں شامل ہو جائیں۔

ترک کن معشوقی و کن عاشقی　　اے گمان بردہ کہ خوب و فائقی[4]

لیکن "عشق" کی یہ دولت بیدار کسی مردہ و ناپائدار محبوب کے لائق نہیں، عشق خود زندہ ہے، اسے ایک زندہ و پائندہ محبوب چاہیے۔

عشق بر مردہ نباشد پائدار　　عشق را بر حیّ جان افزائے دار[5]

اسی زندہ و پائندہ حی و قیوم محبوب سے عشقِ جاوداں کی تشفی و استواری ہے، اسی سے اس کی تازگی اور آبیاری ہے۔

عشق زندہ در رواں و در بصر　　ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

[1] مثنوی ص۳۳۴ [2] ایضاً [3] ایضاً ص۴۹ [4] ایضاً ص۴۶۶ [5] ایضاً ص۴۶۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عشق آں زندہ گزیں کو باقیست ... وز شراب جانفزایت ساقیست
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء ... یافتند از عشق او کار دکیا[1]

حسن کی اس بارگاہ عالی میں عشق کو اپنی نارسائی کا شکوہ نہیں ہونا چاہیئے کہ حسن ازل سدا سے عشق نواز اور دوست طلب ہے۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست ... با کریاں کارہا دشوار نیست[2]

یہ عشق دیکھنے میں ایک بیماری ہے، جو دل کی شکستگی سے پیدا ہوتی ہے، یہ بیماری بڑی جان لیوا ہے، لیکن آدمی اگر اس کو برداشت کرے جائے تو اس کا نتیجہ معرفت حقیقی اور حیاتِ ابدی ہے۔

عاشقی پیداست از زاریٔ دل ... نیست بیماری چوں بیماریٔ دل
علت عاشق ز علتہا جداست ... عشق اُصطرلاب اسرارِ خداست[3]

یہ بیماری سب بیماریوں کی دوا اور ہر قسم کے نفسانی واخلاقی امراض کے لئے شفا ہے، جن روحانی امراض کے علاج سے طبیب مایوس اور معالج و مصلح دست بردار ہو چکے ہوں، اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی ہو، عشق ایک نگاہ میں اس کو اچھا کر سکتا ہے، برسوں کا مریض جب عشق کے ہاتھوں اپنے روحانی امراض کہنہ سے شفا پاتا ہے تو سرور و بیخودی کے عالم میں پکار اٹھتا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ... اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما ... اے تو افلاطون و جالینوسِ ما[4]

عشق ایک شعلہ ہے جو خس و خاشاک کو جلا کر خاک کر دیتا ہے، اور محبوب کے سوا کسی کا روادار نہیں، وہ بڑا موحد، بڑا غیور ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ... ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

۱ے مثنوی ص۱۰ ۲ے ایضاً ص۱۰ ۳ے ایضاً ص۷ ۴ے ایضاً ص۵

تیغ لا در قتلِ غیرِ حق براند ... در نگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ... شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت[1]

یہ عشقِ الٰہی ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے، اس کی داستان ختم ہونے والی نہیں، زمانہ کی وسعت بھی اس کے لئے تنگ اور دنیا کی عمر بھی اس کی داستان سرائی کے لئے کوتاہ ہے، یہ اُس حسن ازلی کا قصہ ہے، جس کا نہ اول ہے نہ آخر، اس لئے یہاں خاموشی ہی بہتر اور اعترافِ عجز ہی مناسب ہے۔

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام ... صد قیامت بگزرد واں ناتمام
زانکہ تاریخِ قیامت را حد است ... حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزد است[2]

جہانِ دل

لیکن یہ عشق جس کی دعوت مولانا اس جوش و خروش سے دیتے ہیں، دل کی زندگی، اور بیداری اور دل کی گرمی کے بغیر ممکن نہیں، ہر زمانہ کی طرح مولانا کے زمانہ میں بھی دل کی طاقتوں اور وسعتوں سے غفلت اور ناواقفیت بڑھتی جا رہی تھی، اور دماغ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھتا جا رہا تھا، دماغ روشن اور دل سرد ہوتے جا رہے تھے، معدہ زندگی میں مرکزی مقام حاصل کرتا جا رہا تھا، مولانا نے دل کی عظمت و وسعت کی طرف متوجہ کیا، اور اس کے عجائبات و فتوحات بیان کئے، اور یاد دلایا کہ انسان اپنے اس جسم خاکی میں کیسا سدا بہار باغ رکھتا ہے، اور اس کے پہلو میں کیسی دنیا آباد ہے، جس میں ملک کے ملک گم ہو جائیں، جس کو کسی دشمن کا خطرہ اور کسی رہزن کا اندیشہ نہیں۔

امین آباد است دل اے مرداں ... حصن محکم موضعِ امن و اماں
گلشن خرم بکام دوستاں ... چشمہا و گلستاں در گلستاں[3]

۱ے مثنوی ص۴۰۵ ۲ے ایضاً ص۴۴۲ ۳ے ایضاً ص۱۹۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے بتلایا کہ دنیا کے باغات چند دنوں کے مہمان، لیکن نخل دل سدا جوان اور باغ دل بہار بے خزاں ہے، جسم کا باغ برسوں میں لگتا ہے، اور دم میں اجڑ جاتا ہے، دلوں کے باغ لگنے میں دیر نہیں لگتی، مگر اس کی رعنائی اور تازگی میں کبھی فرق نہیں آتا۔

گلشنے کز نقل روید یک دم است   گلشنے کز عقل روید خرم است
گلشنے کز تن دمد گردد تباہ   گلشنے کز دل دمد وافرحتاہ [1]

وہ تلقین کرتے ہیں کہ جسم کو جوان بنانے کی سعی لاحاصل اور سکندر کی طرح "چشمۂ حیوان" کی ناکام تلاش کے بجائے عشق کے آبِ حیات کا ایک جرعہ نوشِ جان اور دل کی زندگی کا سامان کرنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح معنی میں زندہ دلی اور نشاط روح حاصل ہو اور ہر دورِ زندگی میں توانائی و رعنائی محسوس ہو۔

دل بجز تا دائما باشی جوان   از تجلی چہرہ ات چوں ارغوان
طالبِ دل شو کہ تا باشی چو بل   تا شوی شادان و خنداں ہمچو گل [2]

لیکن دل کے لفظ سے دھوکہ نہ ہو! دل وہ نہیں ہے، جو سینہ میں دھڑکتا ہے، اور خواہشاتِ نفس اور بوالہوسی کی آماجگاہ ہے، جو محبت کی لذت سے ناآشنا، یقین کی دولت سے محروم، ذوق و شوق سے خالی ہے، جس کی کلی کبھی کھلتی نہیں، اور جس کی قسمت کبھی چمکتی نہیں، یہ دل دل نہیں، پتھر کی ایک سِل ہے۔

تنگ و تاریک است چون جان جہود   بینوا از ذوق سلطانِ ودود
نے دراں دل تابِ نورِ آفتاب   نے کشادِ عرصہ نے فتح باب [3]

یہ دل اپنی ساخت اور اپنی صورت شکل، جسامت کے لحاظ سے ویسا ہی ایک دل ہے، جیسے اہلِ دل کا بیدار و بیتاب دل، لیکن حقیقت کے لحاظ سے دیکھئے تو سوائے لفظی اشتراک اور جسمانی مشابہت کے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، وہ بھی پانی ہے، جو چشمۂ صافی میں رواں ہے، اور وہ بھی پانی ہے، جو کسی دلدل

[1] مثنوی ص ۵۹۶   [2] ایضاً ص ۱۵۴   [3] ایضاً ص ۱۷

یا کیچڑ کے اندر ہے، لیکن پہلا پانی خالص پانی ہے، جس سے پیاس بھی بجھائی جا سکتی ہے، اور ہاتھ بھی صاف ہو سکتے ہیں، دوسرا پانی میں مٹی کا اتنا جز ہے کہ اس سے پانی کا کام لینا مشکل ہے، یہی فرق دل، اور دل میں ہے، ایک دل مادہ پرست اور بوالہوس، ایک بے حس و مردہ دل انسان کا ہے، ایک دل انبیاء و اولیاء کا ہے، جس کی بلندی کے سامنے آسمان بھی پست اور جس کی وسعت کے آگے سارے عالم کی وسعت گرد ہے، اس لئے سوچ سمجھ کر کہو کہ ہمارے پہلو میں بھی دل ہے۔

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست   دل فراز عرش باشد نہ بہ پست
در گلِ تیرہ یقین ہم آب ہست   لیک ازاں آبت نباید آبدست
زانکہ گر آب است مغلوب گل است   پس دل خود را مگو کایں ہم دل است
آں دلے کز آسمانہا برتر است   آں دل ابدال یا پیغمبر است [1]

لیکن پھر تسلی دیتے ہیں کہ دل بہر حال دل ہے، اور خدا کے یہاں کوئی دل مردود نہیں، وہ ہر دل کا خریدار ہے، اس لئے کہ خریداری سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہیں۔

کالہ کہ ہیچ خلقش ننگرید   از خلافت آں کریم آں را خرید
ہیچ قلبے پیشِ اُو مردود نیست   زانکہ قصدش از خریدن سود نیست [2]

پھر وہ فرماتے ہیں کہ معدہ کے قفس زریں کو چھوڑ کر دل کی آزاد بستی کی سیر کرو، اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو، تمہارے اور خالق کے درمیان بڑا حجاب یہی معدہ اور شکم پرستی ہے، تم اس حجاب سے نکلے کہ تم کو اس بارگاہِ عالی سے سلام پہونچے۔

معدہ را بگذار سوئے دل خرام   تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام [3]

مقامِ انسانیت

مستبد شخصی سلطنتوں کے اثرات اور پیہم مظالم، مسلسل جنگوں کے نتیجہ میں عام انسانوں میں

[1] مثنوی ص ۲۳۹   [2] ایضاً ص ۵۲۱   [3] ایضاً ص ۴۵۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی سے بیزاری، اپنے مستقبل سے مایوسی اور احساس کہتری پیدا ہو گیا تھا، اور انسان خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا تھا عجمی تصوف نے فنائیت، انکار ذات اور خود شکنی کی تلقین اتنے جوش اور قوت سے کی تھی کہ خودنگری اور خودشناسی جس پر حرکت، جدوجہد اور کشمکش موقوف ہے ایک اخلاقی جرم اور مانع ترقی سمجھی جانے لگی تھی، انسانوں کے سامنے ملکوتی صفات کے حصول، اور لوازم بشریت سے انسلاخ، تجرد و تفرید کی تبلیغ، اس انداز میں ہوئی تھی کہ انسان کو اپنی انسانیت سے شرم آنے لگی تھی، اور وہ اپنی ترقی انسانیت میں نہیں بلکہ ترک انسانیت میں سمجھنے لگا تھا، عام طور پر مقام انسانیت سے غفلت اور انسان کی رفعت و شرافت سے ذہول پیدا ہو گیا تھا، اور اس وقت کی ادبیات اور شعر و شاعری میں تحقیر انسانیت کی روح سرایت کر گئی تھی، اس کا نفسیاتی اثر یہ تھا کہ لوگوں میں عام طور پر اپنے بارہ میں بے اعتمادی، ناامیدی، افسردگی اور شکستہ دلی پائی جاتی تھی، اور انسان کبھی کبھی حیوانات اور جمادات پر رشک کرنے لگتا تھا، وہ جوہر انسانیت سے ناواقف اور اپنی عظمتوں اور ترقیات سے غافل تھا مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں اس پہلو کو ابھارا اور انسان کی بلندی کا ترانہ اس جوش سے بلند کیا کہ اس کی سوئی ہوئی خودی بیدار ہو گئی، اور وہ اپنے مقام سے آگاہ ہو گیا، مولانا کی اس رجز خوانی کا پوری اسلامی ادبیات پر اثر پڑا اور اس نے شعر و شاعری اور تصوف میں ایک نیا رجحان پیدا کر دیا۔

مولانا انسان کو اپنی انسانی خلقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا "اَحْسَنِ تَقْوِیْم" کے خطاب سے یاد فرمایا ہے، یہ لباس موزوں خاص طور پر اسی کے لئے قطع کیا گیا ہے، اور اس کی قامت پر راست آتا ہے۔

"احسن التقویم" در "والتین" بخواں — کہ گرامی گوہر است اے دوست جاں
"احسن التقویم" از فکرت بروں — "احسن التقویم" از عرشش فزوں[1]

[1] مثنوی ص۵۱۵

وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے سوا اور کس کے سر پر "کرامت" کا تاج رکھا گیا ہے، اور "کَرَّمْنَا" اور "اَعْطَیْنَاکَ" کے خطاب سے مشرف کیا گیا ہے؟!

ہیچ کَرَّمْنَا شنید ایں آسماں — کہ شنید ایں آدمی پُرغماں[1]
تاجِ کَرَّمْنَا ست بر فرقِ سرت — طوقِ اَعْطَیْنَاکَ آویز برت[2]

وہ فرماتے ہیں کہ انسان خلاصۂ کائنات اور مجموعۂ اوصافِ عالم ہے، انسان کیا ہے، ایک کوزہ میں دریا بند ہے، اور ایک مختصر سے وجود میں پورا عالم پنہاں ہے۔

آفتابے در یکے ذرہ نہاں — ناگہاں آں ذرہ بکشاید دہاں
ذرہ ذرہ گردد افلاک و زمیں — پیش آں خورشید چوں جست از کمیں[3]
بحر علمے در نمی پنہاں شدہ — در سہ گز تن عالمے پنہاں شدہ[4]

انسان آفرینش عالم کا مقصود اور تمام کائنات کا محسود ہے، اسی سے اس عالم کا رنگ و بو اور زندگی کی آبرو ہے، اس کی طاعت تمام موجودات پر فرض ہے۔

ہر شرابے بندہ آں قد و خد — جملہ مستاں را بود بر تو حسد
ہیچ محتاج مئے گلگوں نئے — ترک کن گلگونہ تو گلگونئے
جوہر است انسان و چرخ او را عرض — جملہ فرع و سایہ اند و تو غرض
علم جوئی از کتب ہائے فسوس — ذوق جوش تو ز حلوائے سبوس
خدمت بر جملہ ہستی مفترض — جوہرے چوں عجز دارد با عرض[5]

یہی نہیں بلکہ انسان مظہر صفاتِ الٰہی ہے، وہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تجلیات و آیات کا عکس نظر آتا ہے۔

[1] مثنوی ص۴۹۵ [2] ایضاً ص۴۷۵ [3] ایضاً ص۵۹۴ [4] ایضاً ص۴۷۵ [5] ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدم اصطرلاب اوصافِ علوست — وصفِ آدم مظہرِ آیاتِ اوست
ہر چہ در وے می نماید عکسِ اوست — ہمچو عکسِ ماہ اندر آبجوست
خلق را چوں آب دان صاف و زلال — وندرو تابان صفات ذوالجلال
علم شان و عدل شان و لطف شان — چوں ستارہ چرخ در آب رواں [1]

اس سب کے فرمانے کے بعد وہ محسوس کرتے ہیں کہ انسان کی تعریف اور اس کی قدر و قیمت کا بیان اب بھی مکمل نہیں' اور سچ پوچھئے تو کسی میں اس کے سننے کی تاب بھی نہیں۔

گر بگویم قیمت آں ممتنع — من بسوزم، ہم بسوزد مستمع [2]

اس رفعت و بلندی کے بعد خدا کے سوا انسان کا کون خریدار ہو سکتا ہے' اور کون اس کی قیمت لگا سکتا ہے' حیف ہے کہ انسان خود اپنی قیمت نہ جانے اور ہر قیمت پر ہر ایک کے ہاتھ بک جانے کے لئے تیار ہو' وہ بڑی دل سوزی سے فرماتے ہیں۔

اے غلامِ عقل و تدبیرات و ہوش — تو چرائی خویش را ارزاں فروش [3]

پھر فرماتے ہیں کہ انسان کا سودا ہو چکا ہے' اللہ اس کا خریدار ہے' اور وہی انسان کا سچا قدردان ہے

مشتریٔ ماست اللہ اشتریٰ — از غمِ ہر مشتری ہین بر تر آ
مشتریٔ جو کہ جویانِ تو است — عالمِ آغاز و پایانِ تو است [4]

لیکن یہ سب ان انسانوں کا تذکرہ ہے' جو جوہرِ انسانیت سے آراستہ اور حقیقت انسانیت سے آشنا ہیں' ان انسان نما آدمیوں کا ذکر نہیں' جو انسانیت کا خول اور صورت ہی صورت ہیں' جو اپنے نفس کے مارے ہوئے اور خواہشات نفس کے قتیل ہیں' یہ آدمی نہیں ہیں آدمی کی بے جان تصویریں ہیں۔

ایں نہ مرداں اند اینہا صورت اند — مردۂ نان اند و کشتہ شہوت اند [5]

[1] مثنوی ص۵۶۲ [2] ایضاً ص۵۱۵ [3] ایضاً ص۴۷۵ [4] ایضاً ص۴۳۶ [5] ایضاً ص۴۵۹

ہر زمانہ کی طرح مولانا کے زمانہ میں بھی یہ حقیقی انسان کمیاب اور عنقا صفت تھا' عام طور سے وہی انسان ملتے تھے' جو چوپایوں اور درندوں کے اخلاق رکھتے تھے' مولانا ان بہائم صفت اور درندہ خصلت انسانوں سے اُکتا گئے تھے اور ان کو "انسان" کی تلاش تھی' اپنی تلاش کا واقعہ ایک دلچسپ مکالمہ کی شکل میں بیان فرماتے ہیں۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر — کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نہ شود جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست [1]

دعوتِ عمل

مولانا کا تصوف اور ان کی تلقین' تعطل' بے عملی اور رہبانیت کی مبلغ نہیں' وہ عمل' جدوجہد' کسب اور اجتماعی زندگی کے داعی اور مبلغ ہیں' رہبانیت اور ترکِ دنیا کو اسلام کی روح کے منافی اور تعلیماتِ نبوت کا مخالف سمجھتے ہیں' ان کے نزدیک اگر اجتماعی زندگی مطلوب نہ ہوتی تو جمعہ و جماعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کیوں ہوتی' فرماتے ہیں۔

مرغ گفتش خواجہ در خلوت مایست — دینِ احمدؐ را ترہب نیک نیست
از ترہب نہی فرمود آں رسولؐ — بدعتے چوں در گرفتی اے فضول
جمعہ شرط است و جماعت در نماز — امر معروف و ز منکر احتراز
درمیانِ امت مرحوم باش — سنتِ احمدؐ مہل محکوم باش [2]

ان کے زمانہ میں توکل تعطل محض کا مرادف بن کر رہ گیا تھا' کسی قسم کی احتیاط و انتظام توکل

[1] دیوان [2] ایضاً ص۵۰۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منافی سمجھا جاتا تھا، اور بری نظر سے دیکھا جاتا تھا، مولانا نے توکل کا شرعی مفہوم بیان کیا، اور کسب کی ترغیب دی، اور اس کی فضیلت بیان کی "اعقلها وتوکل علی اللہ"[1] کا مضمون حدیث بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

گفت پیغمبر بآواز بلند　　　باتوکل زانوے اشتر بہ بند
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو　　　از توکل در کسب کاہل مشو
رو توکل کن تو با کسب اے عمو　　　جہد می کن کسب می کن مو بمو
جہد کن جدے نما تا وا رہی　　　در تو از جہدش بمانی ابلہی[2]

انھوں نے کمزور جانوروں کی زبان سے توکل و تعطل کے وہ تمام دلائل نقل کر دیئے ہیں جو عام طور پر ضعیف الہمت اشخاص پیش کیا کرتے ہیں، یہ دلائل بڑے معقول اور وزنی معلوم ہوتے ہیں، پھر ان کا تفصیل سے جواب دیا ہے، شیر کا جواب مولانا کے اصلی خیالات کا آئینہ ہے۔

شیر کی زبان سے وہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کو جو اعضا و جوارح اور جو صلاحتیں اور طاقتیں دی گئی ہیں ان سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے کوشش اور جد و جہد مطلوب ہے، اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ہاتھ میں کدال یا پھاوڑا دے دے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ زمین کھودے، یا چٹان توڑے اس کے لئے زبان سے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، اسی طرح جب ہم کو ہاتھ پاؤں اور کام کرنے کی قدرت دی گئی ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں اور جسمانی قوت سے کام لیں، اور اپنے ارادہ و اختیار کو عمل میں لائیں، اس بنا پر سعی و عمل اور کسب و جہد عین خدا کی مرضی اور فطرت کا اشارہ ہے، اور تعطل اور ترکِ عمل نشائے الٰہی کے خلاف اور کفرانِ نعمت ہے، صحیح توکل یہ ہے کہ کوشش میں کمی نہ کی جائے اور نتیجہ کے بارے میں خدا پر بھروسہ کیا جائے، کیونکہ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے، فرماتے ہیں:۔

[1] اونٹنی باندھ دو پھر اللہ پر توکل کرو　[2] صـ ۲۶

گفت شیر آری ولے رب العباد　　　نردبانے پیش پائے ما نہاد
پایہ پایہ رفت باید سوئے بام　　　ہست جبری بودن اینجا طمع خام
پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ　　　دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ
خواجہ چوں بیلے بدست بندہ داد　　　بے زبان معلوم شد او را مراد
چوں اشارتہاش را بر جان نہی　　　در وفائے آں اشارت جان دہی
پس اشارت ہاش اسرارت دہد　　　بار بردارد ز تو کارت دہد
سعی شکر نعمت قدرت بود　　　جبر تو انکار آں نعمت بود
شکر نعمت نعمتت افزوں کند　　　کفر نعمت از کفت بیروں کند
ہاں مخسپ اے جبری بے اعتبار　　　جز بزیر آں درختِ میوہ دار
تا کہ شاخ افشاں کند ہر لحظہ باد　　　بر سرِ خفتہ بریزد نقل و زاد
گر توکل می کنی در کار کن　　　کسب کن پس تکیہ بر جبار کن[1]

پھر شیر کی زبان سے وہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ جد و جہد اور سعی و عمل سنت انبیاء اور طریق اولیاء ہے، پھر وہ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ مال و اولاد دنیا نہیں ہے، جس کی شریعت میں مذمت ہے، اور جو خدا کی رحمت سے دور ہے وہ غفلت کی زندگی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

شیر گفت آرے ولیکن ہم ببیں　　　جہد ہائے انبیاء و مرسلیں
حق تعالےٰ جہد شاں را راست کرد　　　انچہ دیدند از جفا و گرم و سرد
جہد می کن تا توانی اے کیا　　　در طریق انبیاء و اولیاء
چیست دنیا از خدا غافل بُدن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

[1] دیوان صـ ۲۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال را گر بہرِ دین باشی حمول — نعمَ مالٌ صالحٌ گفت آں رسولؐ

جہد حق است و دوا حق است و درد — منکر اندر نفیِ جہدش جہد کرد[1]

وہ صرف اپنے زمانہ کے عوام ہی پر تنقید نہیں کرتے، اور صرف ان غلطیوں ہی پر نہیں ٹوکتے، جن کا تعلق علمی اور دینی حلقوں سے ہے، بلکہ وہ پوری جرأت کے ساتھ اس طبقہ کی بھی تنقید کرتے ہیں، جن کے ہاتھ میں زمامِ حکومت تھی، وہ برملا اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ حکومت نا اہلوں کے ہاتھ میں آگئی ہے اور بازیچۂ اطفال بن گئی ہے، مطلق العنان شخصی سلطنت کے زمانہ میں یہ تنقید بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے، مگر مولانا کی حق گو زبان خاموش نہیں رہتی، وہ فرماتے ہیں:۔

حکم چوں بر دست زنداں اوفتاد — لاجرم ذوالنون بزندان اُوفتاد

چوں قلم در دست غدارے بود — لاجرم منصور بر دارے بود

چوں سفیہاں را بود کار و کیا — لازم آمد يَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِيَاء[2]

حکومت کے غلط ہاتھوں میں ہونے کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے اپنے زمانہ کی شکایت فرماتے ہیں:۔

حکم چوں در دستِ گمراہے بود — جاہ پندارید و در چاہے فتاد

احمقاں سرور شدستند و زبیم — عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم[3]

عقائد و علمِ کلام

مولانا نے عقلیات وحسیات پر صرف تنقید اور اپنے زمانہ کے علم کلام کی بے اعتدالی، ظاہر پرستی اور لفظی معرکہ آرائی پر گرفت ہی نہیں کی، اور صرف باطنی احساسات وجدان اور روح سے کام لینے اور عشق کی دعوت دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کلامی مسائل و مشکلات کو اپنے مخصوص انداز سے حل کرنے

[1] دیوان صفحہ ۲۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۱ [3] ایضاً صفحہ ۳۳۵

اور اپنے مخصوص پیرایہ میں بیان کرنے اور دل نشین کرنے کی کوشش بھی کی ہے، گویا مولانا کی دعوت اور ان کا فلسفہ صرف سلبی اور ناقدانہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایجابی اور معلمانہ بھی ہے، جن مسائل کے حل کرنے میں علم کلام کے بازو شل ہو کر رہ گئے ہیں، اور جن گتھیوں کے سلجھانے کی کوشش میں اور بے شمار گتھیاں پڑ گئی ہیں، مولانا ان مسائل کو اس طرح بیان کر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی پیچیدگی ہی نہیں تھی، اور وہ بدیہی حقائق اور روزمرہ کی زندگی کی باتیں اور واقعات ہیں، مولانا کا خاص طرز یہ ہے کہ وہ دماغ کو شکست دینے کی اور مخاطب کو لاجواب کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ اپنی بات کو اس کی خوشی اور رضامندی سے دل میں بٹھانے اور ذہن میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اور مخاطب کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ بات پہلے سے اس کے دل میں تھی، اور مولانا نے اس کی ترجمانی کی ہے، اس طرز کلام کا نتیجہ یہ ہے کہ مثنوی سے دینی اصول و عقائد اور متکلمانہ مسائل و مباحث کے بارہ میں ایسا اذعان، شرح صدر اور اطمینانِ قلب پیدا ہوتا ہے، جو علمِ کلام کے پورے کتب خانہ سے نہیں پیدا ہوتا اس کے ساتھ ساتھ ایک ذوق و سرور بھی پیدا ہوتا ہے، جو ایک صاحبِ یقین اور صاحبِ عشق ہی کے کلام سے پیدا ہو سکتا ہے۔

مولانا اگرچہ اشعری مکتبِ خیال کے ایک کہنہ مشق استاد اور متبحر عالم ہیں، مگر وہ اپنے ذاتی تجربہ اور موہبتِ ربانی سے عقائد و کلام میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں، اور ایک نئے علم کلام کے بانی ہیں ان کی روشِ عام متکلمین اور علمائے عقائد سے بالکل علیحدہ ہے، اور نسبتاً قرآن مجید کے طرز استدلال اور فطرتِ سلیم سے زیادہ قریب ہے۔

وجود باری

وجود باری کا مسئلہ علمِ کلام اور تمام مذاہب کا معرکۃ الآرا اور بنیادی مسئلہ ہے، قدیم علم کلام نے اس کے جو دلائل دیئے ہیں، وہ محض منطقی ہیں، ان سے اذعان اور یقین کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، زیادہ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ آدمی لاجواب ہو کر رہ جاتا ہے، قرآن مجید کا طرز یہ ہے کہ وہ اس بارہ میں انسان کی فطرتِ سلیم کو اکساتا ہے اور اس پر اظہارِ اعتماد کر کے اس کے سوئے ہوئے احساس کو بیدار کر دیتا ہے، وہ پیغمبر کی زبان سے بے ساختہ کہلواتا ہے۔

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (ابراہیم - ۱۰)	بھلا اللہ کے بارہ میں بھی شک ہو سکتا ہے جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اس بیباختگی اور استعجاب سے انسان کی فطرت چونک پڑتی ہے اور وہ اپنا صحیح کام کرنے لگتی ہے، پھر زمین و آسمان کی پیدائش سے پیدا کرنے والے مصنوعات سے صانع اور آثار سے موثر کی طرف دفعتہً رہبری ہو جاتی ہے، سارے قرآن مجید میں یہی طرزِ استدلال ملے گا کہ اللہ کی نشانیاں دیکھو، اور مخلوقات سے خالق، اور مصنوعات سے صانع تک پہنچو، قرآن کے نزدیک خدا کی معرفت کا یہی یقینی، مختصر اور بے خطر راستہ ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ (حٰمٓ السجدہ ۵۳)	اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے، کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے۔

مولانا نے بھی مثنوی میں یہی طرزِ استدلال اختیار کیا ہے، وہ جا بجا کائنات سے خالقِ کائنات کے وجود پر استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن کرنے والا ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا، مگر جو کچھ ہو رہا ہے، یہ خود اس کی دلیل ہے کہ اس پردہ کے پیچھے کوئی کرنے والا ہے، لیکن فعل ظاہر اور فاعل مخفی ہے۔

دست پنہان و قلم بین خط گزار — اسپ در جولان و ناپید اسوار

تیر پیدا بیں و ناپید اکمان — جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان [1]

لیکن حرکت خود محرک کے وجود کی دلیل ہے، اگر کہیں ہوا کی سنسناہٹ ہے تو سمجھ لو کہ ہوا کا چلانے والا بھی ہے۔

بادرا دیدی کہ می جنبید بدان — باد جنبا نیست اینجا باد ران
پس یقین در عقل ہر داننده ہست — این کہ با جنبیده جنباننده ہست [2]

اگر تمہیں موثر نظر نہیں آتا تو آثار تو نظر آتے ہیں، ان آثار سے سمجھ لو کہ موثر ضرور ہے، جسم میں حرکت و زندگی روح سے ہے، روح اگرچہ نظر نہیں آتی، مگر جسم کی حرکت اس کا ثبوت ہے۔

گر تو اورا می نہ بینی در نظر — فہم کن آں را باظہارِ اثر
تن بجان جنبد نمی بینی تو جان — لیک از جنبیدنِ تن جان بدان [3]

موثر کے لئے اس کے آثار اور صانع کے لئے اس کے مصنوعات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟
آفتاب کے وجود کے لئے اس کی روشنی سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہے؟

خود نباشد آفتابے را دلیل — جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل [4]

پھر کائنات صرف موجود ہی نہیں ہے، بلکہ منظم، باقاعدہ اور مرتب ہے، ہر چیز اپنے چوکھٹے میں جڑی ہوئی ہے، سیاروں کی گردش کا ایک نظام ہے، آفتاب و ماہتاب کے لئے بھی اصول و ضوابط ہیں، ابر و باد بھی بے زنجیر نہیں کہ جدھر کو چاہیں، اُدھر کو چل دیں، ان کے لئے بھی تازیانہ مقرر ہے، اگر ذرا سرتابی کریں، فوراً گوشمالی کی جائے، یہ نظام و ترتیب صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ کائنات کے اوپر کائنات کا خالق اور مدبر ہے، اور وہ حکیم و علیم بھی ہے، اور کائنات اس کے اختیار و انتظام سے کسی وقت خارج نہیں۔

۱؎ مثنوی ص ۳۰۵ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرمی بینی تو تدبیر قدر　　در عناصر، گردش و جوشش نگر

آفتاب و ماہ دو گاو خراس　　گرد می گردند و می دارند پاس

اختران ہم خانہ خانہ می روند　　مرکب ہر نحس و سعدے می شوند

ابر راہم تازیانہ آتشیں　　می زند کہ ہاں چنیں رو نے چنیں

بر فلان وادی ببار ایں سو مبار　　گوشمالش می دہد کہ گوش دار[1]

پھر وہ فرماتے ہیں کہ اس کائنات کو خالق کائنات نے اپنے فائدہ کے لئے نہیں پیدا کیا، بلکہ انسان کے فائدہ اور اس کی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے' اس طرح وہ خلق عالم کی مصلحت کو جس میں فلاسفہ و متکلمین سرگرداں ہیں' بڑے دل نشین پیرایہ میں بیان کرتے ہیں' اس میں بھی ان کا البیلاپن اور سرور و مستی موجود ہے:-

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ ست　　قصد من از خلق احسان بودہ ست

آفریدم تاز من سودے کنند　　تاز شہدم دست آلودے کنند

نے برائے آں کہ من سودے کنم　　در برہنہ من قبائے بر کنم[2]

من نہ کردم خلق تا سودے کنم　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

نبوت اور انبیاء

انبیاء علیہم السلام کا تعارف وہ خود ان کی زبان سے کراتے ہیں' اور بتلاتے ہیں کہ وہ طبیبانِ الٰہی اور معالجینِ قلوب ہیں' طبیب نبض سے دل تک پہونچتے ہیں' انبیاء براہ راست دل تک پہونچ جاتے ہیں' طبیبوں نے صحت جسمانی کے بقاء اور انبیاء نے دلوں کی شفا اور اخلاق و اعمال کی اصلاح اور اعتدال پر توجہ دی ہے:

ما طبیبانیم شاگردانِ حق　　بحرِ قلزم دید ما را فانفلق

[1] مثنوی ص ۵۱۳　[2] ایضاً ص ۱۵۹

آں طبیبانِ طبیعت دیگر اند　　کہ بدل از نبضے بنگرند

ما بدل بیواسطہ خوش بنگریم　　کز فراست ما بہ اعلیٰ منظریم

آں طبیبانِ غذائید و ثمار　　جانِ حیوانی بدیشاں استوار

آں طبیبانِ فعالیم و مقال　　ملہم ما پرتوِ نورِ جلال

کایں چنیں فعلے ترا نافع بود　　واں چناں فعلے زرہ قاطع شود

ایں چنیں قولے ترا پیش آورد　　واں چناں قولے ترا نیش آورد

آں چناں وایں چنان از نیک و بد　　پیش تو بینم و بنمائیم جد

آں طبیبانِ را بود بولے دلیل　　ویں دلیل ما بود وحیِ جلیل[1]

دلائلِ نبوت میں بھی وہ عقلی دلائل و مقدمات سے استدلال کرنے کے بجائے عموماً ذوقی اور وجدانی دلائل سے استدلال کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کی ہر ادا بتلاتی ہے کہ وہ پیغمبر ہے' وہ سرتاپا اعجاز ہوتا ہے دیکھنے والوں کے لئے (بشرطیکہ ان میں عناد اور تکبر نہ ہو) وہ خود اپنی نبوت کا دلیل ہوتا ہے' یہی وہ چیز ہے کہ عبد اللہ بن سلام رضؓ نے جمال جہان آرا پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ فرمایا تھا:-

وَاللّٰہِ ھٰذا لیس بوجہ کذّاب　　بخدا یہ کسی دروغ گو کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است　　روے و آواز پیمبر معجزہ است

وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اور امت کے ضمیر میں ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ پیغمبر جو کچھ کہتا ہے' امت کا ضمیر اس پر آمَنّا و صَدَّقْنا ہی پکارتا ہے' امت کا ضمیر پیغمبر کی ہر صدا پر وجد کرتا ہے' اس لئے کہ وہ صدا ایسی دلکش' ایسی معصوم اور دنیا میں ایسی انوکھی اور نرالی ہے کہ اس میں اور کسی صدا اور دعوت میں کوئی مناسبت اور کسی اشتباہ کا موقع نہیں' فرماتے ہیں:-

[1] مثنوی ص ۲۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوں پیمبر از بروں بانگے زند　　جانِ امت در دروں سجدہ کند

زانکہ جنس بانگِ او اندر جہان　　از کسے نشنیدہ باشد گوشِ جان

آن غریب از ذوق آوازِ غریب　　از زبانِ حق شنود اِنّی قریب[1]

وہ کہتے ہیں کہ سننے والوں کو پیغمبر کی صداقت کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں، ان کا کہنا دعویٰ بھی ہے، اور دلیل بھی، اور نظامِ عالم اسی پر قائم ہے، پیاسے کو (بشرطیکہ سچی پیاس ہو) پانی کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ پانی کا ثبوت نہیں مانگتا، بچہ کو ماں دودھ پلانا چاہتی ہے تو وہ دلیل کا انتظار نہیں کرتا، طلب اور محبت اعتماد اور پیش قدمی کے لئے کافی ہے۔

تشنہ را چوں بگوئی تو شتاب　　در قدح آب است بستان زود آب

ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است رد　　از برم اے مدّعی ! مہجور شو

یا بطفل شیرِ مادر بانگ زد　　کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد

طفل گوید مادرا حجت بیار　　تا کہ باشیرت بگیرم من قرار[2]

ان کے نزدیک معجزہ موجبِ ایمان نہیں ہے، یعنی ضروری نہیں کہ معجزہ دیکھنے والا ایمان لے ہی آئے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ معجزہ دیکھ کر ایمان لانے والوں کے نام سیرت میں مشکل سے ملیں گے، مشاہیر صحابہ وہی ہیں، جو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لائے تھے، اور اصل ایمان ان ہی کا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ معجزات تو مغلوب اور لاجواب کرنے کے لئے ہیں، اور جو مغلوب ولاجواب ہوتا ہے، وہ مشکل سے یارِ غار اور جان نثار بنتا ہے، اصل کشش اور تسخیر کی چیز جنسیت اور مناسبت ہے۔

موجبِ ایمان نباشد معجزات　　بوئے جنسیت کند جذبِ صفات

۱؎ مثنوی ص۱۸۰　　۲؎ ایضاً

معجزات از بہرِ قہرِ دشمن است　　بوئے جنسیت سوئے دل بردن است

قہر گردد، دشمن، امّا دوست نے　　دوست کے گردد بہ بستہ گردنے[1]

انبیاء کے تذکرہ میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ بڑے غیور اور خوددار ہوتے ہیں، ان سے استفادہ کے لئے ادب اور نیازمندی شرط ہے، وہ سلطان مزاج[2] ہیں، ان کا منصب یہ ہے کہ وہ فرمائیں اور دوسرے سنیں، معارضہ اور مجادلہ محرومی کا باعث اور حجاب اکبر ہے۔

گر ہزاران طالب اند و یک ملول　　از رسالت بازمی ماند رسول

ایں رسولانِ ضمیر راز گو　　مستمع خواہند، اسرافیل خو

نخوتے دارند و کبرے چون شہان　　چاکری خواہند از اہل جہان

تا ادبہا شان بجا گہ نادری　　از رسالت شان چگونہ برخوری[3]

فرماتے ہیں کہ اور ایسا کیوں نہ ہو یہ بھی تو دیکھو کہ وہ کہاں سے آئے ہیں، اور کس کا پیام لائے ہیں۔

ہر ادب شان کے ہمی آید پسند　　کاندریشان زا یوان بلند[4]

معاد

مولانا کے نزدیک موت حقیقی زندگی کا پیش خیمہ اور انسان کی ترقی کا زینہ ہے، آبادی ویرانی کے بغیر ممکن نہیں، خزانہ جب ہی دستیاب ہوتا ہے، جب زمین کھودی جاتی ہے، جب بنے ہوئے مکان کو ویران کیا جا رہا ہو تو سمجھ لو کہ دوبارہ آباد کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔

شاہ جان جسم را ویران کند　　بعد ویرانیش آبادان کند

کرد ویران خانہ بہرِ گنج و زر　　وزہمان گنجش کند معمور تر[5]

۱؎ مثنوی ص۵۱۹　　۲؎ شاہ طبیعت　　۳؎ مثنوی ص۲۷۱　　۴؎ ایضاً　　۵؎ ایضاً ص۱۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جسمِ خاکی کی شکست ایک بڑی تعمیر کی علامت ہے، کلی کے چٹکنے سے سمجھ لینا چاہئے کہ پھل آنے والے ہیں۔

چون شگوفہ ریخت میوہ سر کند　　چونکہ تن بشکست جان سر بر کند[۱]

وہ جوادِ مطلق، وہ فیاضِ برحق، جان جیسی دولت دے کر کیسے بالکل چھین لے گا، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ وہ زار و نزار جان لے کر زندگیٔ جاوداں عطا فرمانا چاہتا ہے، وہ اس خاکدان سے نکال کر وہ نعمتیں عطا فرمانا چاہتا ہے، جو وہم و خیال میں بھی نہیں۔ "مَالَاعین رأت وَلَا اذن سمعت، وَلا خطر عَلیٰ قلبِ بشر"

آں کسے اکش کہ چنیں شاہے کشد　　سوئے تخت و بہترین جاہے کشد

نیم جان بستاند و صد جان دہد　　انچہ در وہمت نیاید آن دہد[۲]

ترقی کے مدارجِ عالیہ کے لئے فنا اور نیستی ضروری ہے، کبھی کسی نے اگلی تختی دھوئے اور پرانے نقش مٹائے بغیر تختی لکھی ہے؟ کبھی مٹی نکالے بغیر زمین کے اندر سے پانی نکلا ہے؟ لکھنے کے لئے آدمی سادہ کاغذ اور بونے کے لئے آدمی خالی زمین ڈھونڈتا ہے۔

لوح را اول بشوید بے وقوف　　آنگہے بروے نویسد او حروف

وقتِ شستن لوح را باید شناخت　　کہ مر آن را دفترے خواہند ساخت

چون اساسِ خانۂ تو افگنند　　اولین بنیاد را بر می کنند

گِل بر آرند اول از قعرِ زمین　　تا بآخر بر کشی ماءِ معین[۳]

کاغذے جوید کہ آن نبوشتہ نیست　　تخم کارد موضعے کہ کشتہ نیست

نیستی ہی ہستی کا استحقاق پیدا کرتی ہے، اور خالق کی رحمت کو جوش میں لاتی ہے، منعم

۱؎ مثنوی ص۴۷　۲؎ ایضاً ص۱۰۱　۳؎ ایضاً ص۱۴۱

ہمیشہ فقیروں ہی پر سخاوت کرتے ہیں۔

ہستی اندر نیستی بتواں نمود　　مالداران بر فقیر آرند جود

تم خود اپنی حالت پر غور کرو، تم برابر ارتقا کے منازل طے کرتے آئے ہو، اور ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے، تم نے ایک جامۂ ہستی اتارا، دوسرا پہنا، ایک فنا سے تم نے بقا حاصل کیا، اگر تم پہلی حالت پر رہتے، تو تم کو یہ ترقی و کمال کہاں سے حاصل ہوتا، اور تم آب و گِل میں مقید رہتے، اب آخری ترقی سے کیوں گھبراتے ہو، اور تمہارا طائرِ روح قفسِ عنصری سے نکلتے ہوئے کیوں ڈرتا ہے۔

تو ازان روزے کہ در ہست آمدی　　آتشے یا خاک، یا بادے بُدی

گر بدان حالت ترا بودے بقا　　کہ رسیدے مر ترا ایں ارتقا

از مبدّل ہستیٔ، اول نماند　　ہستیٔ دیگر بجائے اُو فشاند[۱]

ایں بقاہا از فناہا یافتی　　از فنایش رو چرا بر تافتی

ایں فناہا چہ زیان بودت کہ تا　　بر بقا چفسیدۂ اے بے نوا[۲]

اس لئے دراصل موت، موت نہیں زندگی کی تمہید ہے، اور مرنے کا دن مومن کے لئے شامِ غم نہیں صبحِ عید ہے۔

آزمودم مرگِ من در زندگی است　　چون رہم زیں زندگی پایندگیست[۳]

عارفوں کی موت کو عامیوں کی موت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، ان کو اس جہانِ فانی سے چھوٹنے کا غم نہیں ہوتا، موت ان کے لئے مژدۂ جانفزا، اور موت کا جھونکا ان کے حق میں بادِ بہاری بن کر آتا ہے، قومِ عاد پر جو ہوا چلائی گئی تھی، وہ حضرت ہودؑ اور ان کے ساتھیوں کے لئے نسیم بن گئی تھی۔

ہودؑ گرد مومناں خطے کشید　　نرم می شد باد کانجا می رسید

۱؎ مثنوی ص۱۴۱　۲؎ ایضاً　۳؎ ایضاً ص۲۷۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمچنیں بادِ اجل با عارفان | نرم و خوش ہمچو نسیمِ بوستان[1]

جبر و اختیار

جبر و اختیار کی بحث علمِ کلام کی مشکل ترین بحثوں میں سے ہے، ایک فرقہ اختیار کا منکر اور جبرِ محض کا قائل ہے، اور عقائد و فرق کی تاریخ میں جبریہ کے لقب سے مشہور ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ اگر انسان مجبورِ محض ہوتا، تو وہ خدا کی طرف سے امر و نہی کا مخاطب کیوں بنتا، اور شریعت کے احکام اس کی طرف کیوں متوجہ ہوتے، کیا کسی نے کسی پتھر کو بھی حکم دیتے سنا ہے۔

جبریش گوید کہ امر و نہی راست | اختیارے نیست دین جملہ خطا است
جملہ قرآن امر و نہی است و وعید | امر کردن سنگ مرمر را کہ دید[2]

فرماتے ہیں کہ اختیار کا عقیدہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اور وہ روزمرہ کی زندگی میں اس عقیدہ کا اقرار اور جبر کا انکار کرتا رہتا ہے، کسی پر چھت کی لکڑی گر جاتی ہے تو اس کو چھت پر غصہ نہیں آتا، سیلاب سامان بہالے جاتا ہے تو کسی کو اس پر غصہ اتارتے نہیں دیکھا گیا، ہوا کسی کی پگڑی اڑا لے جاتی ہے تو کوئی ہوا سے نہیں لڑتا، سب جانتے ہیں کہ یہ مجبور و بے قصور ہیں، البتہ انسان کے ساتھ انسان کا یہ معاملہ نہیں، گویا صرف وہی صاحبِ اختیار ہے۔

گر ز سقفِ خانہ چوبے بشکند | بر تو افتد سخت مجروحت کند
ہیچ خشمے آیدت بر چوبِ سقف | ہیچ اندر کینِ او باشی تو وقف
کہ چرا بر من زد و دستم شکست | یا چرا بر من فتاد و کرد پست
واں کہ قصد عورت تو می کند | صد ہزاراں خشم از تو سر زند

[1] ایضاً ص۲۵ [2] ایضاً ص۴۶۱-۴۶۲

در بیاید سیل رخت تو برد | ہیچ با سیل آورد گیتی خرد
گر بیاید باد و دستار ربود | کے ترا با باد، دل خشمے نمود
خشم در تو شد بیانِ اختیار | تا نہ گوئی جبریانہ اعتذار[1]

وہ ایک قدم آگے بڑھا کر فرماتے ہیں کہ جانور تک جبر و قدر کے مسئلہ سے فطری طور پر واقف ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ آلات و جمادات کا کچھ قصور نہیں، کتے کو بھی اگر پتھر مارا جائے تو وہ پتھر پر نہیں لپکتا، بلکہ انسان کے پیچھے دوڑتا ہے، شتربان اونٹ کو مارتا ہے تو اونٹ کو لکڑی پر غصہ نہیں آتا، شتربان سے انتقام لینا چاہتا ہے، جب حیوان تک اس حقیقت سے واقف ہیں، تو انسان کو جبری بننے سے شرم آنی چاہیے۔

ہمچنیں گر بر سگے سنگے زنی | بر تو آرد رو و گردد منثنی
گر شتربان اشترے را می زند | آں شتر قصدِ زنندہ می کند
خشمِ اشتر نیست با آں چوبِ او | پس ز مختاری، شتر بردہ است بو
عقلِ حیوانی چو دانست اختیار | ایں مگو اے عقلِ انسان شرم دار
روشن است ایں لیک از طمعِ سحور | آں خورندہ چشم بربندد ز نور
چونکہ کلی میل آں نان خور دنیست | رو بہ تاریکی کند کہ روز نیست[2]

علت و معلول

اسباب و علل کے بارہ میں اسلامی فرقوں میں بڑی افراط و تفریط تھی، حکما کے نزدیک کائنات میں علت و معلول کا سلسلہ قائم ہے، اور معلول کبھی علت، مسبّب کبھی سبب سے متخلف نہیں ہو سکتا، معتزلہ بھی اس رائے سے بڑی حد تک متاثر ہیں، ان کا بھی رجحان یہی ہے کہ جو چیز جس کی علت مان لی گئی، جس شئی کا

[1] مثنوی ص۴۶۳ [2] ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو خاصہ اور اثر تسلیم کر لیا گیا، اس میں تغیر و انقلاب کا بہت کم امکان ہے' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بڑی مشکل سے خرق عادت کا وجود تسلیم کرتے ہیں' اور کسی شئی کے اپنے خاصہ کے خلاف وقوع پذیر ہونے اور کسی حادثہ کے بغیر سبب کے وجود میں آنے کو بہت بعید سمجھتے ہیں' اشاعرہ دوسرے سرے پر ہیں' ان کے نزدیک کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں، نہ کسی شئی میں کوئی خاصہ اور تاثیر ہے' اس بے اعتدالی اور انتہا پسندی سے بھی نقصان پہنچا، اور ہر شخص کو ہر بات کہنے اور اسباب کے انکار و ترک کا بہانہ مل گیا، اور اس سے ایک بے نظمی اور تعطل پیدا ہوا۔

مولانا کا مسلک ان دونوں سروں کے درمیان ہے' وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اسباب کی ایک حقیقت ہے' اور علل و معلومات' اسباب و مسببات کا ایک سلسلہ ہے' جس کا انکار نہ ممکن ہے' نہ معقول' عام سنۃ اللہ یہی ہے کہ مسببات اسباب کے تابع ہوں' اور اشیاء سے ان کے خواص برآمد ہوں، البتہ خرقِ عادت ممکن ہے' اور کبھی کبھی اس کا وقوع ہوتا ہے' فرماتے ہیں:۔

بیشتر احوال بر سنت رود   گاہ قدرت خارقِ سنت شود

سنت و عادت نہادہ با مزہ   باز کردہ خرقِ عادت معجزہ

بے سبب گر عز بما موصول نیست   قدرت از عزل سبب معزول نیست[1]

عام لوگ انہی اسباب کو دیکھتے ہیں' اور معذور ہیں کہ ان کو کچھ اور نظر نہیں آتا:۔

حاصل آنکہ در سبب پیچیدۂ   لیک معذوری ہمیں را دیدۂ[2]

فرماتے ہیں کہ بیشک قطع اسباب مناسب نہیں' اسباب کی ایک حقیقت ہے' لیکن مسبب الاسباب اس سے بھی بالاتر حقیقت ہے' وہ مسبب الاسباب' رب الاسباب اور قادرِ مطلق ہے' اس طرح اسباب پرستی نہ کرنے لگو کہ قادرِ مطلق کو بالکل معزول و معطل سمجھنے لگو۔

۱ مثنوی ص۲۲۷ ۲ ایضاً ص۲۶۱

اے گرفتارِ سبب بروں مپر   لیک عزل آں مسبب ظن مبر

ہر چہ خواہد آں مسبب آورد   قدرتِ مطلق سببہا بر درد[1]

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اسباب صرف وہی نہیں ہیں جو ہمارے علم اور مشاہدہ میں ہیں' بلکہ ان اسباب ظاہری سے اوپر کچھ اسباب اور ہیں' جو ہماری نظر سے اوجھل ہیں' یہ اسباب باطنی ان اسباب ظاہری کے لئے اس طرح سے سبب اور محرک ہیں' جس طرح یہ اسباب ظاہری مسببات و نتائج کے لئے، سبب حقیقی اسباب ظاہری کو کبھی متحرک و عامل کر دیتا ہے' اور کبھی بیکار و معطل کر کے رکھ دیتا ہے' سب سے اعلیٰ اور اصل سبب ارادۂ الٰہی اور امر الٰہی ہے:۔

سنگ بر آہن زنی آتش جہد   ہم بامر حق قدم بیروں نہد

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک   تو بالاتر نگر اے مردِ نیک

کایں سبب را آں سبب آورد پیش   بے سبب کے شد سبب ہرگز بخویش

ایں سبب را آں سبب عامل کند   باز گاہے بے بر و عاطل کند[2]

ہم جس طرح ان اسبابِ ظاہری کو جانتے پہچانتے ہیں' انبیائے کرام ان اسبابِ حقیقی کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں:۔

واں سبب ہا کانبیا را رہبر است   آں سببہا زیں سببہا برتر است

ایں سبب را محرم آمد عقل ما   واں سببہا راست محرم انبیا[3]

وہ اسبابِ حقیقی اسبابِ ظاہری کے حاکم اور اُن پر غالب ہیں:۔

ہست بر اسباب اسبابِ دگر   در سبب منگر دراں افگن نظر[4]

یہ اسبابِ ظاہری اسبابِ حقیقی کے سامنے بہت حقیر و ضعیف ہیں' معاملہ حقیقی اسباب ہی سے وابستہ ہے

۱ مثنوی ص۲۲۷ ۲ ایضاً ص۲۴۵ ۳ ایضاً ۴ ایضاً ص۲۴۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

این سبب ہمچو مریض است و علیل — این سبب ہمچو چراغ است و فتیل

شب چراغت را فتیلے تو بتاب — پاک دان زینہا چراغِ آفتاب [1]

انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں چونکہ ساری دنیا اسبابِ ظاہری میں الجھی ہوتی ہے، اور اسباب پرستی اپنے پورے عروج پر ہوتی ہے، خالق اسباب اور اس کی قدرت مطلقہ بالکل نگاہوں سے اوجھل اور دماغوں سے محو ہو چکی ہوتی ہے، اور عالم کا عالم شرک اور ظواہر و مظاہر پرستی میں گرفتار ہوتا ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام اسباب پر ضرب لگاتے ہیں، اور اسباب کے بجائے مسبّب اور قادرِ مطلق کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ بھی ان کے ہاتھوں سے سلسلۂ اسباب کے بالکل خلاف واقعات ظاہر کر کے اور معجزات دکھا کر اسباب کی بے حقیقتی اور کمزوری ظاہر کرتا ہے:-

انبیاء در قطع اسباب آمدند — معجزاتِ خویش بر کیوان زدند

بے سبب بر بحر را بشگافتند — بے زراعت چاش گندم یافتند

ریگہا ہم آرد شد از سعیِ شان — پشم برابریشم آمد کشکشان

جملہ قرآن است در قطعِ سبب — عزِ درویش و ہلاک بولہب [2]

لیکن اللہ تعالےٰ کی عمومی عادت اور سنتِ جاریہ اسباب سے مسببات کا وجود ہے، اور اس سے بندوں کو سعی و تعلیم مقصود ہے:-

لیک اغلب برسبب راند نفاذ — تابداند طالبے جستن مُراد [3]

اسی انداز پر مولانا ان تمام کلامی مسائل اور مذہب کے اصول و عقائد کی تشریح اور تلقین کرتے چلے جاتے ہیں، جن کو متکلمین و اشاعرہ کے مناظرانہ طرزِ استدلال اور فلاسفہ کی طلسم آرائی نے چیستان اور نہایت خشک اور محدود موضوعِ بحث بنا دیا تھا، مولانا نے ان مباحث و حقائق کو علم کلام اور فلسفہ

[1] مثنوی ص۱۴۱ [2] ایضاً ص۲۴۶ [3] ایضاً ص۲۴۷

کے تنگ کوچہ سے نکال کر عام فہم اور عقل سلیم کے وسیع آفاق میں لے جا کر بحث کی، اور دل نشین مثالوں، عام فہم نکتوں اور سادہ و موثر طرز بیان سے ان کو روزمرہ کی حقیقت اور زندگی کا واقعہ بنا دیا۔

مثنوی کا اثر

مثنوی نے عالمِ اسلام کے افکار و ادبیات پر بڑا گہرا اور دیرپا اثر ڈالا اسلامی ادب میں ایسی شاذ و نادر کتابیں ملیں گی جنھوں نے عالمِ اسلام کے اتنے وسیع حلقہ کو اتنی طویل مدت تک متاثر رکھا ہے، چھ صدیوں سے مسلسل دنیائے اسلام کے عقلی، علمی، ادبی حلقے، اس کے نغموں سے گونج رہے ہیں، اور وہ دماغ کو نئی روشنی اور دلوں کو نئی حرارت بخش رہی ہے، اس سے ہر دور میں شاعروں کو نئے مضامین، نئی زبان، نیا اسلوب ملتا رہا، اور وہ ان کے قوائے فکر اور ادبی صلاحیتوں کو ابھارتی رہی، معلمین و متکلمین کو اپنے زمانہ کے سوالات و شبہات کو حل کرنے کے لئے اس سے نئے نئے دلائل، دل نشین مثالیں، دلآویز حکایتیں، اور جواب کی نئی نئی راہیں ملتی رہیں، اور وہ اس کے سہارے اپنے زمانہ کی بے چین طبیعتوں اور ذہین نوجوانوں کو مطمئن کرتے رہے، اہلِ سلوک و معرفت کو اس سے عارفانہ مضامین، دقیق و عمیق علوم اور سب سے بڑھ کر محبت کا پیغام اور سوز و گداز اور جذب و مستی کا سامان ملتا رہا، اور وہ ان کی خلوتوں اور انجمنوں کو صدیوں تڑپاتی، اور گرماتی رہی، اس لئے ہر دور کے اہلِ محبت اور اہلِ معرفت نے اس کو شمعِ محفل اور ترجمانِ دل بنا کر رکھا۔

اس کے مضامین یکسر تنقید سے بالاتر اور ہر قسم کی لغزش اور خطا سے مبرا نہیں، بہت سے فاسد العقیدہ صوفیوں اور اہل ہوٰی نے اس سے کبھی کبھی غلط فائدہ بھی اٹھایا ہے، وحدتِ وجود کے قائلین کو اب بھی اس سے اپنے مسلک کے لئے دلائل و شواہد مل جاتے ہیں، وہ بہرحال ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کا کلام ہے، جو معصوم نہ تھا، اور جس کے مضامین میں اس کے قلبی واردات اور خارجی "تاثرات" کو بھی دخل ہے، اس سب کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے وقت کا ایک بڑا علمی کارنامہ اور اسلام کی عقلی برتری اور اس کی غیر فانی زندگی کا ثبوت ہے، اس نے عالم اسلام کے فکری تعطل، علمی و ادبی جمود، اور تقلیدی ادب و علمِ کلام پر کاری ضرب لگائی، اور اسلام کے کاروانِ فکر کو جو ساتویں صدی میں آمادۂ قیام اور مائل بہ آرام تھا، دوبارہ متحرک و سرگرم سفر کردیا۔

اس کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں جب عالم اسلام پر دوبارہ مادیت وحسیت کا حملہ ہوا، اور یورپ کے نئے فلسفہ اور سائنس نے قلوب میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کی، اور ایمانیات وغیبیات کی طرف سے ایک عام بے اعتمادی پیدا ہونے لگی، اس کا رجحان بڑھنے لگا کہ ہر وہ چیز جو مشاہدہ وتجربہ کے ماتحت نہ آسکے، اور حواس ظاہری اس کی گرفت نہ کرسکیں، وہ موجود نہیں، عقائد کی قدیم کتابوں اور قدیم طرزِ استدلال وعلمِ کلام نے اس کا مقابلہ کرنے سے معذوری ظاہر کی تو مثنوی نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا (جو یورپ کی مادی وسیاسی فتوحات سے کم خطرناک نہ تھا) کامیاب مقابلہ کیا، اور دلوں میں دوبارہ دینی وغیبی حقائق کی وقعت، علوم انبیاء کی عظمت، عالم غیب کی وسعت، اور قلب وروح، ایمان ووجدان کی اہمیت کا نقش قائم کردیا، اور فلسفہ ومادیت کے صدہا زخم خوردہ نوجوانوں اور فاضلوں کو جو الحاد وزندقہ کے دروازہ پر کھڑے تھے، یا ایمان واسلام کی سرحد عبور کرچکے تھے، دوبارہ ایمان ویقین کی دولت عطا کی، ہندوستان میں ان اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد ہے، جو اس حقیقت کا صاف اعتراف کرتے ہیں کہ ان کو مثنوی کی بدولت دوبارہ دولتِ اسلام نصیب ہوئی، اور وہ اس کے فیض سے مسلمان اور صاحبِ ایمان ہیں، بیسویں صدی کے سب سے بڑے مسلمان فلسفی اور مفکر (ڈاکٹر سر محمد اقبال)

نے شیخ رومی کے فیض وارشاد اور اپنے تلمذ واسترشاد کا جابجا اعتراف کیا ہے، اور اس کا برملا اظہار کیا ہے کہ مثنوی نے ان کو ایک نئی روح اور ایک نیا جذبہ عطا کیا ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

پیر رومی مرشدِ روشن ضمیر — کاروانِ عشق ومستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ وآفتاب — خیمہ را از کہکشاں سازد طناب
نور قرآں درمیانِ سینہ اش — جام جم شرمندہ از آئینہ اش
از نئے آں نے نوازِ پاک زاد — باز شورے درنہادِ من فتاد [1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

رومی آں عشق ومحبت را دلیل — تشنہ کاماں را کلامش سلسبیل [2]

لیکن اس کے ساتھ وہ شکایت اور احتجاج کرتے ہیں کہ ایک طبقہ نے اپنی نظر اس کے الفاظ اور ظاہری مطالب میں محدود رکھی، اور اس کو جاں گدازی اور دل سوزی کے بجائے رقص ووجد کا ذریعہ بنایا۔

شرحِ او کردند و او را کس ندید — معنیٔ او چوں غزال از ما رمید
رقصِ تن از حرفِ او آموختند — چشم را از رقصِ جاں بردوختند [3]

لیکن یہ نقص ہمارا ہے، مثنوی کا نہیں، مثنوی اس دورِ انقلاب میں بھی رفیقِ راہ بن سکتی ہے، اس مادہ پرست دور کی سب سے زیادہ نایاب جنس سوز وگداز اور محبتِ پاک باز ہے:۔

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے — پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن — پرکار وسخن ساز ہے نمناک نہیں ہے [4]

یہ دولتِ بیدار مثنوی سے حاصل کی جاسکتی ہے، عصرِ حاضر کے نوجوانوں کو وصیت کرتے ہوئے

[1] مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق ص۱۰ [2] جاوید نامہ ص۲۴۰ [3] ایضاً ص۲۲۴ [4] بال جبریل۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں:-

پیر رومی را رفیقِ راہ ساز — تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند زپوست — پائے او محکم فتد در کوئے دوست [1]

[1] جاوید نامہ ص ۲۲۴

INDEX

اشاریہ

(انڈکس: "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ اول)

مرتب

محمد غیاث الدین ندوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شخصیات

سیدنا ونبینا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۱۸، ۲۰، ۳۰،
۳۱، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۵۴، ۶۵، ۷۴، ۷۵، ۹۷
۹۸، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۱
۱۸۵، ۲۱۱، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۶۱، ۲۶۶،
۲۶۷، ۲۷۶، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۴۳، ۳۸۸

الف

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ۲۱۳، ۳۷۰
سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۲۶، ۱۳۶
(حضرت) ابوبکر صدیقؓ ۱۰۱، ۳۳۸
(ام المؤمنین حضرت) ام سلمہؓ ۵۵
(حضرت) ام عاصمؓ ۳۴
(حضرت) ابن عباسؓ ۹۷
(حضرت) ابو ایوب انصاریؓ ۳۶۱
(حضرت) ابوموسیٰ اشعریؓ ۱۰۵
ابراہیم بن ادہم ۲۴۷
ابراہیم بن عبداللہ ۶۸
ابراہیم بن مصعب ۹۹
ابراہیم بن مہدی ۹۵
ابراہیم الحربی ۹۲
ابن ابی داؤد ۸۵، ۹۷، ۹۹
ابن اثیر ۵۲، ۷۱، ۲۵۶، ۲۵۸، ۳۱۳-۳۱۶
ابن اسحاق ۷۴
ابن الاشعث ۶۳
ابن بطوطہ ۳۳۰
(شیخ الاسلام) ابن تیمیہ ۱۰۱، ۱۱۹، ۱۴۵، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۰۱، ۲۲۷
ابن جریج مکی ۷۴
(عبدالرحمٰن) ابن الجوزی ۳۳، ۵۱، ۵۲، ۶۰، ۸۸، ۱۲۸
۱۴۷، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۲۵-۲۷، ۲۳۳، ۲۴۰
۲۴۷، ۲۵۰، ۲۵۷
ابن حیوان ۷۵
ابن خلدون ۶۹، ۷۱
ابن خلکان ۳۳، ۶۷، ۷۱، ۱۰۶، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷، ۲۲۴
۲۲۶، ۲۵۷، ۲۷۷

ابن دقیق العید ۲۸۷
ابن الراوندی ۱۱۳
ابن رجب ۱۹۸، ۲۰۱-۳
ابن رشد ۱۴۵
ابن السبکی ۲۸۸، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۲
ابن سعد ۵۲، ۶۳
ابن السمعانی ۲۰۲
ابن سینا ۲۸۵
ابن شہاب زہری ۷۴
ابن عبدالحکم ۴۵
ابن عساکر دمشقی ۱۰۵، ۱۸۹
ابن العلقمی (مؤیدالدین ابوطالب محمد) ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۸
ابن الفارسی ۲۲۷
ابن قدامہ ۸۲، ۱۹۸
ابن قرہ ارسلان ۲۷۸
ابن قیم ۲۸۵
ابن کثیر ۸۸، ۱۹۷، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۵، ۳۰۵، ۳۰۷
۳۰۸، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۳۰
ابن ماجہ ۸۰
ابن المرجم الظالم ۲۱۶
ابن المسیب ۸۸
ابن المقنع ۲۴۹
ابن ناصر (محدث) ۲۲۵
ابن نجار ۲۰۰، ۲۲۴، ۲۲۷
ابواسحاق اسفرائنی ۱۰۸، ۱۱۶
ابواسحاق شیرازی ۱۱۶، ۱۹۵
ابوبکر ابن العربی ۱۸۹
ابوبکر اسماعیلی ۱۱۲
ابوبکر باقلانی ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۸۴، ۱۸۵
ابوبکر بن حزم ۳۶، ۳۹، ۴۰
ابوبکر بن عیاش ۸۷
ابوبکر بن صیرفی ۱۱۲
ابوبکر خلال ۸۲
ابوبکر سلہ باف ۳۴۴
ابوبکر فریابی ۶۵، ۷۹
ابوبکر محمد بن الطیب ۲۸۱
ابوجعفر ۲۷۳
ابوحازم ۲۴۸

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالحاکم رازی ۷۵
(امام) ابوالحسن اشعریؒ ۹-۱۰۳،۱۶۰-۱۱۱،۱۱۹،۱۳۱،
۱۸۴،۱۸۵،۳۳۶
ابوالحسن باہلی ۱۰۸
ابوالحسن بصری ۱۸۹
ابوالحسن الجبائی ۱۰۵
ابوالحسن خزرجی ۳۱۰
ابوالحسن شاذلی ۲۹۹
ابوالحسن علی ندوی ۱۰،۱۶
ابوالحسین ہروی ۱۱۴
(امام) ابوحنیفہؒ ۶۸،۸۱،۸۲،۱۵۴،۱۵۵
ابوحیان التوحیدی ۵۷
ابوالخیر حماد ۱۹۸
(امام) ابوداؤد سجستانی ۸۰
ابوذکریا تبریزی ۱۹۵،۱۹۷
ابوسعید جبائی ۲۴۹
ابوسعید مخزمی (مبارک بن علی) ۱۹۸
ابوسلیمان خطابی ۲۰۳
ابوطالب مکی ۱۳۴
ابوالعباس رقی ۱۰۰
ابوعبدالرحمٰن شافعی ۹۷
ابوعبداللہ بن خفیف ۱۰۷
ابوعبداللہ محمد بن یوسف البرزالی ۱۹۹
ابوالعرفان ندوی ۴۵،۴۷،۴۸
ابوعلی جبائی ۱۰۵،۲۰۱
ابوعلی فارمدی ۱۹۱
ابوعمرو بن اعلیٰ ۵۶
ابوالفرج اصبہانی ۳۱
ابوالقاسم ہروی ۱۹۵
ابومحمد القاسم ابن عساکر ۲۸۷
ابومسلم خراسانی ۷۹،۲۳۰
ابوالمظفر ۲۲۷
(امام الحرمین) ابوالمعالی عبدالملک جوینی ۱۱۶،۱۱۷،۱۳۰،
۱۴۷،۱۸۹،۲۲۴
ابومنصور ماتریدی ۱۱۴،۱۱۵
ابوالنجیب سہروردی ۲۲۴
ابونصر اسماعیلی ۱۳۰
ابونصر تمار ۱۶۴

ابونصر فارابی ۱۲۱
ابونعیم اصبہانی ۴۰،۷۲،۲۴۷
ابوالوفا ابن العقیل ۱۹۵،۱۹۷
ابوالوفا یحییٰ بن سعید ۲۱۶
(امام) ابویوسف ۳۷،۸۲،۸۷
اتابک بہاءالدین ۳۲۸
احمد بن ابراہیم دورقی ۱۰۱
احمد بن جعفر ۷۹
(امام) احمد بن حنبلؒ ۶۲،۸۱،۸۲،۸۴،۹۳-۸۶
۱۰۱-۹۵،۱۰۳،۱۱۰،۱۵۴،۱۹۸،۲۰۲،۲۲۳،۲۴۷
احمد بن علی فقیہ ۱۱۴
احمد بن نظام الملک ۱۸۷،۱۸۸
احمد الراذکانی ۱۳۰
احمد الغزالی ۱۹۰
اخطل ۳۲
(سیدنا) ادریس (باطنی امام) ۱۲۵
ارسطو ۱۲۰،۱۲۱،۱۲۲،۱۴۵
ارغوخاں ۳۲۴،۳۲۹
آرنلڈ ۳۲۳،۳۲۵،۳۲۶،۳۳۰،۳۳۲،۳۳۳
ارنیسٹ ڈی بنسن (ERUSET DE BUNSEN) ۲۱
اسپرنگر ۷۶
اسٹیفن ۲۱
اسحاق بن ابراہیم ۹۲،۹۴،۹۵
اسماعیل اشعری ۱۰۵
اسماعیل بن عبداللہ ۴۹
اشہب بن عبدالعزیز ۸۲
اشوراٹوپا ۲۴
افلاطون ۱۴۲
افلاکی ۳۴۵،۳۵۵
(علامہ) اقبال ۳۶۱،۳۶۹،۳۹۸
اکبر ۲۸
الپ ارسلان — سلجوق ۱۱۶
امیر الشرابی ۳۰۶
امین ۳۱۹
اینل جق ۳۱۳
اوحد الدین کرمانی ۳۴۲
اوگتائی خاں ۳۳۳
ایل خاں ۳۲۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایوب نجم الدین ۲۶۱

(ب)

باب (بانی مذہب بابی) ۱۲۷
باقاخاں ۳۲۶
بایزید بسطامی ۱۳۴، ۲۴۱
(قاضی القضاۃ) بن جماعہ ۲۹۸
(امام) بخاری ۷۵، ۷۸، ۷۹، ۹۴، ۱۰۱
بدرالدین گوہرتاش ۳۴۱
بدیع الزماں فروزانفر ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۵
براق خاں ۳۳۱، ۳۴۹، ۵۴-۳۵۲
برکہ خاں ۳۳۵، ۳۲۶
(سید) برہان الدین ۳۵۲
برہان الدین محقق ترمذی ۳۳۸، ۳۴۱
بزاری ۶۸
بستانی ۵۶، ۵۷، ۳۱۴
بشر بن حارث ۱۶۴، ۱۶۵
بشر حافی ۷۲، ۲۳۱، ۲۴۱، ۲۴۷
بقراط ۱۴۲
بلال بن ابی بردہ ۱۱۴
بلاذری ۴۹
بندار بن حسین ۱۱۴
بودھ ۲۵-۲۳
بوعلی ابن سینا ۱۲۱
بویطی (شافعی) ۸۲
(قاضی) بہاء الدین ابن شداد ۶۴-۲۶۲، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۷۴، ۸۱-۲۷۷، ۳۴۲
(سید) بہاء الدین ترمذی ۳۵۵
(شیخ) بہاء الدین ذکریا ملتانی ۲۲۴
(سید) بہاء الدین رازی ۳۳۹
(سلطان) بہاء الدین ولد ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۵، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۹

(پ)

پاپائے روم ۲۷۰، ۳۱۱
پطرس (راہب) ۲۵۲

(ت) (ث)

تاتاری خاں ۳۲۵
تاج الدین سبکی ۳۱۸
(قاضی القضاۃ) تاج الدین ۲۹۸

(امام) ترمذی ۸۰
ترکان خاتون ۱۳۱
تغلق تیمور خاں ۳۳-۳۳۱
تقی الدین ۲۷۷
تگودار خاں ۳۲۶، ۳۲۹
تلمذ حسین گورکھپوری ۳۳۷
تنکیرو ۲۶۸
(الملک المعظم) توران شاہ ۲۹۸
(امیر) توزون (نوروز بیگ) ۳۳۰
توکل حسین ۳۳۷
ثابت بن قرہ ۵۷

(ج)

جاحظ ۷۰
جبرئیلؑ ۱۲۶
جریر بن عبدالحمید (محدث) ۸۸
جسر بن ولید ۹۵
جلال الدین حسن ۳۴۳
(مولانا) جلال الدین رومی ۱۷۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۵۷، ۳۹۹
جمال الدین ۳۳-۳۳۱
جمال الدین حاجب ۲۸۸
جنید بغدادی ۱۷
جنید شبلی ۱۳۴
جواہر لال نہرو ۲۴
جوجی خاں ۳۲۵
جے بسمولنگر (J.BASSMULLINGER) ۲۲

(چ)

چاٹیلون ۲۶۵
چغتائی خاں ۳۲-۳۳۰
چلپی حسام الدین ۳۱۹، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۵۹، ۳۶۱
چلپی علاء الدین ۳۴۸
چنگیز خاں ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۶، ۳۱۷، ۲۶-۳۲۳، ۳۳۰، ۳۳۳

(ح)

(حضرت) حسنؓ ۱۹۷
(حضرت) حسینؓ ۳۴، ۶۸
(حضرت) حواؑ ۲۱۳
حارث محاسبی ۱۳۴
حاکم باشر ۲۸۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۷۶
حجاج بن یوسف ۵۶، ۶۳
حرادہ ۱۹۹
حسن بصریؒ ۵۱، ۵۳، ۵۷-۵۵، ۶۳، ۶۷-۶۵، ۲۴۷
حسن بن سہل ۷۰
حسن بن صباح اسماعیلی ۳۴۳
حسن بن قحطبہ ۶۸
حسن المثنیٰ ۳۳
حلاج ۲۴۹
حنبل بن ہلال ۸۶
حنین (مغنی) ۳۲
حوشب ۳۱

(خ)

(حضرت) خبابؓ ۱۰۰
خان اندرا ۳۳۳
خطیب بغدادی ۷۲، ۱۱۵

(د) (ذ)

دیانند سرسوتی ۲۶
(حافظ) ذہبی ۳۳، ۸۷، ۸۹، ۹۰-۱۳۹، ۱۱۳

(ر)

(امام) رازی ۳۳۵، ۳۳۹
راشد ۲۰۶
ربیع (شافعی) ۸۲
ربیع بن انس ۵۶
ربیع بن صبیح ۷۴
رجاء بن حیوہ ۳۵
رچرڈ ۲۶۹
رشید الدین ۳۲۹، ۳۳۲
رکن الدین بیبرس ۳۲۵، ۳۲۶
رکن الدین سنجاسی ۳۴۴
(مولانا) روم دیکھئے جلال الدین
(مسز) رہس ڈائس (RHYS DAVIS) ۲۴
ریجی نالڈ وائی گرگ ۲۵۴، ۲۶۵، ۲۶۶

(ز)

(حضرت) زید بن ثابتؓ ۵۵
(امام) زفر ۸۲
(امام) زہری ۸۸
زید بن علی ۶۸

زین الدین سنجاسی ۳۴۴
زین الدین عراقی ۱۴۷، ۱۸۳، ۱۸۸

(س)

سالم بن عبداللہ ۳۳
سالم حسین ۳۰۵
سپہ سالار ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۵۸
سجادہ ۹۵
سعد الدین حموی ۳۴۲
(شیخ) سعدی ۳۱۹
سعید بن ابی عروبہ مدنی ۷۴
سعید بن جبیر ۵۵
سعید بن المسیب ۳۳
سفیان ثوری ۷۱، ۱۵۴، ۲۴۷
سقراط ۱۴۲
سکندر ۳۷۴
سلیمان بن عبدالملک ۳۶-۳۴، ۵۰، ۵۳، ۲۴۸
(سید) سلیمان ندوی ۷۶
(سلطان) سنجر ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۰۷
سیرادادرا ۳۲۵
سیف الدین آمدی ۳۸۷
سینٹ پال ۲۰، ۲۱
سیوطی ۲۸۸، ۲۹۹

(ش)

(امام) شافعیؒ ۸۱، ۸۲، ۸۷، ۸۸، ۹۷، ۱۵۴، ۱۵۵
شبلی نعمانی ۷۱، ۸۲، ۱۴۷، ۱۶۷، ۱۹۱، ۳۵۷
(شیخ) شبلی ۲۴۸
شرف الدین عبداللطیف ۲۹۴
شرف الدین عیسیٰ ۲۲۲
(قاضی) شریح ۲۳۵
(قاضی) شریک ۲۴۸
(امام) شعبی ۵۵
(امام) شعرانی ۱۹۸
شمس الدین تبریزی ۵۲-۳۴۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۶۱
شنکر آچاریہ ۲۵، ۲۶، ۳۶
شہاب الدین ابوشامہ ۲۸۸، ۳۰۵
شہاب الدین سہروردی ۲۲۴، ۲۹۹
شیردل ۲۶۹
شیرکوہ اسدالدین ۲۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیطان ۱۴۸، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۵۱، ۳۷۰

ص ض

صالح اسماعیل ۲۹۱، ۲۹۲
صالح بن امام احمد ۹۳
صدرالدین ۱۸۸
صدرالدین قونوی ۳۴۲، ۳۵۶، ۳۶۱
صدیق حسن خاں ۱۸۳، ۲۲۴
صلاح الدین ایوبی ۲۵۲، ۲۵۶، ۲۶۱-۶۳، ۲۶۵-۶۷
۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵-۸۷، ۲۹۸، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۴۲
صلاح الدین زرکوب ۳۴۵، ۳۵۱-۵۴، ۳۵۹، ۳۶۱
ضحاک بن عبدالرحمٰن ۴۱

ط

طاہر ۳۱۹
(امام) طحاوی ۱۱۵
طرمشرین خان ۳۳۱
طیفور ۹۵

ظ

(الملک) الظاہر بیبرس ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۲۲
(الملک) الظاہر لاعزاز دین اللہ ۲۷۶، ۲۸۲، ۳۰۶

ع

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۱، ۱۲۷
(حضرت) عمرؓ ۳۴، ۳۵
(حضرت) علیؓ ۸۵، ۱۲۶، ۲۴۸، ۳۳۸
(ام المومنین حضرت) عائشہؓ ۲۱۲
(حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ ۱۶۴
عارم ابوالنعمان ۹۰، ۹۱
عاصم بن علی ۷۹
عاصم بن عمر ۳۴
عاضدلدین اللہ ۲۸۳
عالمگیر اعظم ۳۰۴
(شیخ) عبدالجبار ۲۲۳
(قاضی) عبدالجبار ۲۸۱
عبدالرحمٰن بن اسحاق ۹۷
عبدالرحمٰن بن قاسم ۸۲
عبدالرحمٰن بن مہدی ۸۷
(شیخ) عبدالرزاق ۲۲۲
عبدالرزاق بن ہمام ۸۸
عبدالعزیز ۲۲۳

عبدالعزیز بن سلیمان ۲۴۸
عبدالعظیم المنذری ۲۸۸
عبدالغافر فارسی ۱۳۱، ۱۴۷
عبدالغنی بن فاخر فراش ۳۰۶
(شیخ) عبدالقادر جیلانی ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳
۲۰۶، ۲۰۷، ۲۲۰
عبدالقادر حسنی ۱۴۷
عبدالقادر جرجانی ۱۹۵
عبداللہ بن امام احمد ۹۳
عبداللہ بن زبیر ۳۴
عبداللہ بن سلام ۳۸۷
عبداللہ بن عبدالحکم ۸۲
عبداللہ بن مبارک ۷۱، ۱۵۶
عبداللہ بن وہب ۸۲
عبداللہ المحض ۳۳
عبدالملک بن مروان ۳۲
(شیخ) عبدالوہاب ۲۲۲
عبدالمومن ۱۹۳
عبید ۲۸۱
عثمان رومی ۳۴۲
عجیف ۹۹
عروہ بن زبیر ۳۳
(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام ۲۰۱، ۲۸۷
۲۸۸، ۲۹۲-۹۴، ۲۹۷-۹۹، ۳۰۲، ۳۰۴
عکرمہ ۳۱، ۳۲
علاءالدین الطبرسی الظاہری ۳۰۶
علاءالدین کیقباد ۳۴۰، ۳۴۱
علاءالدین محمد خوارزم شاہ ۳۰۲، ۳۱۰-۱۴، ۳۳۹
۳۴۰
علی بن حسین (زین العابدین) ۳۲، ۳۳
علی بن مدینی ۱۰۱
علی بن یوسف تاشفین ۱۹۱-۹۳
عمادالدین زنگی ۲۵۴، ۲۶۱
عمادالدین الکاتب ۲۷۸
عمر بن ابی الحسن رواسی ۱۸۹
(حضرت) عمر بن عبدالعزیزؓ ۳۱، ۳۴-۳۶، ۳۹
۴۰، ۴۱، ۴۸-۵۳، ۷۴، ۲۱۹، ۲۴۷، ۲۳۸، ۲۵۸
عمر کیسانی ۲۰۱
عمرہ بنت عبدالرحمٰن ۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنایت اللہ ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۲۳
عوام بن حوشب ۶۶

(غ)

غازان ۳۳۰
(امام ابوحامد محمد) الغزالیؒ ۵۷، ۱۲۹-۳۲، ۱۳۷،
۱۴۰-۴۲، ۱۴۵-۴۹، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵-۵۸
۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۴
۱۸۶-۹۰، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۴۸
۲۸۸، ۳۰۲، ۳۳۶
(سلطان) غیاث الدین ۳۳۱

(ف)

(حضرت) فاطمہؓ ۲۴۸، ۲۸۲
(قاضی) فاضل ۲۷۵
الفائز لدین اللہ ۲۸۳
فخر الدین عثمان ۲۹۳، ۲۹۴
فخر الملک طوسی ۱۲۸، ۱۶۱، ۱۸۷
فرزدق ۳۳
فرعون ۱۷۴
فروز الفر دیکھئے بدیع الزماں
فریابی دیکھئے ابوبکر
فربری ۷۹
فرید الوجدید ۲۶۲
فرید الزماں ۱۸۸
فریڈرک ۲۶۹-۷۱
فضل بن عیاض ۷۱

(ق)

قاآن ۳۲۶
قاسم بن محمد ۳۳، ۴۰
قتادہ حسینی ۳۰۵
قتیبہ ۱۰۰
قرمطی ۲۴۹
قطب الدین شیرازی ۳۲۸
قواریری ۹۵
قوام الدین ۱۸۸
قوبلائی خاں ۳۱۷، ۳۳۲
قیصر ۳۵، ۲۶۹-۷۱

(ک)

کاثلین ۲۷۲

(شمس الائمہ) کردری ۸۲
کرگز ۳۳۳
کسریٰ ۳۵
کمال الدین ابن العدیم ۳۴۲

(گ) (ل)

گاندھی جی ۲۶
گائی ۲۶۵، ۲۶۶
گبن ۳۱۷
گودجرے ۲۶۸
گیوگ خاقان ۳۲۴
(اسٹینلے) لین پول ۲۵۳-۵۵، ۲۶۲-۶۴، ۲۸۱

(م)

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۲۶، ۲۳۶
(حضرت) مثنیٰ بن حارثہؓ ۸۶
(حضرت) معاویہؓ ۲۸۲
ماجوج ۳۱۵
مارٹن لوتھر (M. LUTHER) ۲۱
(امام) مالک ۶۸، ۸۰-۸۲، ۱۵۴، ۲۸۲
مالک بن دینار ۲۳۷
مامون ۶۹، ۷۰، ۸۵، ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۹۸، ۳۱۹
متنبی ۲۳۱
متوکل باللہ ۹۲، ۹۳، ۱۰۳، ۱۱۹
مجاہد الدین بہروز ۲۶۱
مجاہد الدین ایبک الدویدار ۳۰۶
مجیر الدین ۱۶۲
(امام) محمد ۸۲
(سلطان) محمد (احمد) ۳۲۶
محمد ابوزہرا ۸۹، ۱۱۵
محمد بن اسماعیل ۹۹، ۱۲۵
محمد بن حسن باقلانی ۱۹۷
محمد بن حسن دیلمی یمانی ۱۲۶
محمد بن سیرین ۵۵
محمد بن عبدالحکم ۳۶
محمد بن عبداللہ تومرت ۱۹۱-۹۳
محمد بن ملک شاہ ۱۶۱، ۱۸۷
محمد بن نصر مروزی ۶۲، ۹۱، ۹۴
محمد بن نوح ۹۵
محمد بہاء الدین ۳۳۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد خدابندہ (نکوس)	۳۳۰
محمد ذوالنفس الزکیہ	۶۸
محمد عالم کاکوروی	۲۰۵،۲۰۶
محمد عبدہ	۱۱۵
محمد علی	۱۲۷
محمد گازرونی	۱۴۷
محمد لطفی جمعہ	۱۲۲/۱۴۵
محمد یوسف ٹونکی	۲۵۰
محمد یوسف موسیٰ	۱۶۸
(سلطان) محمود سلجوقی	۲۵۵
محی الدین ابن العربی	۳۴۲
محی الدین ابوعبداللہ بغدادی	۲۰۰
مرزا (غلام احمد)	۱۲۷
مزنی (شافعی)	۸۲
مسترشد	۲۰۶
مستظہر باللہ	۱۳۱،۲۰۶،۲۴۸
مستعصم باللہ	۲۹۸،۳۰۸،۳۰۹،۳۱۸،۳۱۹
مستنصر باللہ	۲۸۳،۲۹۸،۳۰۸
المستنجد باللہ	۲۰۶
(سلطان) مسعود	۲۰۶،۲۰۷،۲۶۱
مسعودی	۷۷
(امام) مسلم	۸۰
(امام) معاذ بن معاذ	۷۷
معتصم باللہ	۷۹،۹۲،۹۵–۹۹،۱۰۳،۳۱۹
معتضد	۳۱۹
معروف کرخی	۷۲،۲۳۱،۲۴۷
معزالدین اللہ فاطمی	۱۲۵
معمر یمنی	۷۴
معین الدین پروانہ	۳۵۷
مقتدی باللہ	۱۱۵،۱۳۱
المقتفی لامر اللہ	۲۰۶
مقدسی	۲۸۱،۲۸۳،۲۸۴
مقریزی	۲۸۲،۲۸۳
الملک الاشرف	۲۸۹،۲۹۱،۲۹۹
الملک الافضل	۳۰۵
ملک شاہ سلجوقی	۱۱۵،۱۱۷،۱۳۱،۱۶۰،۱۶۱،۱۸۷،۲۵۴
الملک الصالح نجم الدین ایوب	۲۹۱،۲۹۳،۲۹۴، ۲۹۸
الملک الکامل	۲۸۸،۲۹۰

الملک المظفر سیف الدین قطز	۳۲۱
الملک المنصور	۲۹۲
ملکہ جہاں	۳۳۸
مناظر احسن گیلانی	۶۸
منتصر باللہ	۳۱۹
منصور بن غالب	۴۵،۴۶،۴۸
منکوقاآن	۳۱۸،۳۱۹
منکوخاں	۳۳۳
(شیخ) موسیٰ	۲۲۲،۲۲۳
موسیٰ بن الملک العادل	۲۸۹،۳۰۵
مہبر	۱۱۴
موفق عبداللطیف	۲۲۹
(ن)	
سیدنا حضرت نوح علیہ السلام	۱۲۶
ناجی معروف	۳۰۷،۳۱۰
الناصر لدین اللہ	۳۰۷،۳۰۸،۳۱۰
نجم الدین مختار ظاہری	۳۲۵
(امام) نسائی	۸۰
نصرۃ الدین امیر ایران	۲۶۱
نصیر الدین طوسی	۳۱۸،۳۱۹
نظام الملک طوسی	۱۱۶،۱۱۷،۱۲۸،۱۳۰،۱۳۱،۱۸۷، ۱۸۸
نمرود	۱۲۶
نور الدین زنگی	۲۵۲،۲۵۵–۶۱،۲۶۷،۲۸۵،۲۸۶
(امام) نووی	۲۸۸
(و)	
واثق	۹۲،۱۰۳
وصّاف	۲۲۶،۲۲۹
(امام) وکیع	۷۷
(سلطان) ولد دیکھیے	بہاء الدین
ولید	۳۴،۵۰
(شاہ) ولی اللہ	۶۵،۸۰،۳۰۲
وینسنک (WENSINCK)	۱۱۴
(ہ)	
سیدنا حضرت ہود علیہ السلام	۳۹۱
ہارون رشید	۶۹،۷۱،۸۲،۸۵،۸۷،۹۸
ہشام بن عبدالملک	۳۳،۶۸
ہلاکو خاں	۳۱۳،۳۱۸،۳۱۹،۳۲۵،۳۲۶
ہمفری	۲۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(موسیو) ہوارٹ ۱۲۷
ہیثم بن بشیر ۸۷
ہیثم بن جمیل ۸۷
ہیرلڈ لیمب ۱۳ - ۳۱۰

ی

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ۲۴۴
یاجوج ۳۱۵
یحییٰ بن اکثم ۸۵
یحییٰ بن سعید ۵۰
یحییٰ بن معین ۸۸، ۹۰
یحییٰ بن یحییٰ اللیثی ۸۲
یزید بن حوشب ۵۱
یز بن عبد الملک ۶۳
یزید بن المہلب ۶۳
یزید بن ہارون ۷۹
یسار ۵۵
یعقوب کندی ۱۲۱

اقوام وقبائل ـ طبقات وملتیں

ارباب کلیسا ۸۶
آرتھوڈوکس مسیحی ۲۱
ارموی ۳۵۳
اشعری، اشاعرہ ۱۱۵-۱۷، ۱۱۹، ۱۸۴-۸۶، ۲۸۹
۳۳۵، ۳۶۲، ۳۸۳، ۳۹۴، ۳۹۶
انبیاءؑ ۲۰، ۲۹، ۱۳۸، ۱۷۷، ۲۰۸، ۲۵۱، ۲۶۷، ۲۸۵
۳۶۴، ۳۶۷، ۳۸۶، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۸
اہل استدلال ۱۳۳
اہل بغداد ۸۷، ۲۴۹، ۳۰۶، ۳۰۷
اہل بیت کرام ـ خاندان نبوت ۳۳، ۶۷، ۶۸، ۸۶، ۲۸۲
اہل سنت ـ سنی ۸۱، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶
۱۱۹، ۱۳۶، ۲۰۲، ۲۷۴، ۲۸۳، ۳۰۸
اہل ظاہر ۱۲۶
اہل عراق ۱۳۶، ۳۱۰
اہل مدینہ ۶۸
اہل مصر ـ مصری ۲۷۱، ۲۸۲
اہل مضر ـ مضر ۴۱، ۴۴

اہل مغرب ۲۹
اہل مکہ ۵۷
اہل منطق ۱۳۳
ایرانی ۷۳
ایلخانیہ ۳۲۹، ۳۳۰
باطنی ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴
بودھ ۲۰، ۲۱، ۳۲۹
بربر ۴۹
بنی اسرائیل ۳۰۳
بنی امیہ ـ اموی ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۴۱، ۵۱، ۶۸
۸۶، ۱۵۳
بنی ایوب ـ ایوبی ۲۶۱، ۳۰۷
بنی حسن ۶۸
بنی عباس ـ عباسی ۶۸، ۸۶، ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۵۴، ۳۱۹
بنی عبید ـ عبیدی (فاطمی) ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۶
بنی مخزوم ۴۹
بنی ہاشم ـ خاندان ہاشم ۷۰، ۸۶
بہائی ۱۲۷
البیطار (عیسائی فرقہ) ۲۶۹، ۲۷۰
تابعین ۵۵، ۸۴، ۱۰۹، ۱۵۸، ۱۵۹
تاتار، تاتاری ۱۹۶، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۷
۳۲۰-۲۲، ۳۲۴، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۵۰
ترک ۲۹۸، ۳۱۰، ۳۲۶، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۵۴
ترکمان ۲۷۱
ثقیف ۲۹۱
جبریہ ۳۹۲
حنابلہ ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۸۵، ۲۸۹
خاندان اتابک ۲۸۴
خاندان اخی ۳۵۳
خاندان مروان ۳۴
خلفاء راشدین ۱۸۵، ۲۵۸، ۲۷۳
خوارزم ۳۱۰، ۳۳۸
داویہ (عیسائی فرقہ) ۲۶۹، ۲۷۰
دہریہ ۱۱۳
ذمی ۲۸۵
راہب ـ قسیس ۲۱، ۳۵۷
روافض ۱۱۵
رومی ۷۳، ۳۵۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلاطین بنی ایوب	۳۰۷
سلاطین خوارزم شاہی	۳۱۲
سلاطین سلجوقیہ	۱۶۱، ۲۰۶
سلجوق	۱۱۷، ۲۵۵
سنگھ	۲۴
شیبان (قبیلہ)	۸۶
شیعہ	۳۰۸، ۳۰۹
صابی	۷۲
صحابہ کرامؓ	۵۵-۵۸، ۶۱، ۶۲، ۷۵، ۸۴، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۴، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۳۵، ۳۱۹
صلیبی	۱۹، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۱، ۳۱۰
عباسی خلفاء	۲۰۶، ۲۵۴
عجمی	۶۹
عرب	۳۱، ۴۷، ۴۹، ۶۱، ۹۰، ۱۲۱، ۲۳۰، ۲۵۵، ۲۷۱، ۲۸۱، ۳۰۱، ۳۱۱، ۳۱۲
عیسائی	۲۱، ۲۳، ۳۲، ۷۲، ۹۱، ۱۱۳، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۱، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۵۷
فرنگی	۲۶۰، ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۵، ۳۰۶
فلاسفۂ عرب	۱۳۱
فلاسفہ	۱۱۱-۱۳، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۱-۴۳، ۱۶۲، ۳۳۵، ۳۶۲
قادیانی	۱۲۷
قبیلہ روادیہ	۲۶۱
قبیلہ عبد القیس	۹۷
قبیلہ مصادہ	۱۹۲
قبیلہ ہذانیہ	۲۶۱
قدریہ	۱۰۹
قرامطہ	۱۱۵
قزلبتائی (کورستائی)	۳۲۷
قریشی	۵۰
کرد	۲۶۱، ۲۷۱
کفار و مشرکین	۱۳۴
ماتریدی	۱۱۵
متکلمین	۸۴، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۴۱، ۱۸۴، ۱۸۶، ۳۳۵، ۳۶۲، ۳۹۶، ۳۹۷
مجددین	۲۰، ۱۱۲
محدثین	۷۶-۷۸، ۸۰، ۸۴، ۸۶، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۰، ۲۰۱

مسلمان	۱۱-۱۳، ۱۹-۲۱، ۴۲-۴۴، ۴۸-۵۲، ۵۴، ۵۵، ۶۰، ۶۳، ۷۲-۷۴، ۸۴، ۹۰، ۹۵، ۹۷، ۱۰۰، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۳، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۴۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۱۹، ۲۳۰، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۴، ۲۶۹-۷۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۵، ۳۰۵، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۹، ۳۲۳-۲۵، ۳۲۸، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۵۷، ۳۹۸، ۳۳۵، ۳۶۲، ۳۹۳
مشائخ صوفیہ	۱۸۳
مصری	۳۵۰
معتزلہ	۸۵، ۸۶، ۱۰۳-۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۸۵، ۱۸۶
مغل	۳۲۳-۲۶، ۳۲۹، ۳۳۱
ملثمین	۱۹۳
منافقین	۶۳-۶۵
موحدین	۱۹۳
ہندو	۱۱۳
یہودی	۲۱، ۷۴، ۱۱۳، ۱۷۷، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۸۱
یورپین	۲۲، ۲۸۱
یونانی	۲۰، ۸۴، ۱۲۰

کتابیات

قرآن مجید	

(الف)

ابوالغازی توم	۳۲۵، ۳۳۱
ابن تیمیہ (ابوزہرا)	۱۱۵
ابن حنبل (ابوزہرا)	۸۹
اپنیشد	۲۳، ۲۵، ۲۶
اتحاف السادۃ المتقین	۱۹۰، ۱۹۱، ۲۸۸
اتحاف السعادۃ (شرح احیاء)	۲۸۸
احیاء علوم الدین (احیاء العلوم)	۵۷، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۱-۵۳، ۱۵۵-۵۷، ۱۵۹، ۱۶۲-۶۸، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۸۳-۸۵، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۴۸
اخبار و آثار	۳۱۸
اخبار بربر	۱۹۳
اخلاق جلالی	۱۱۷
استحسان الخوض فی الکلام	۱۱۲
اسرار خودی	۳۶۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام آرٹ وکرسچیانیٹی (ISLAM OR TRUE- CARISTIANITY) ۲۱

اشارات (ابن سینا) ۲۸۵

الأشعری ابوالحسن ۱۱۴،۱۱۳

الاصابہ فی أحوال الصحابہ ۷۶

الأغانی ۷۰،۳۲،۳۰

(رسالہ) الأقلام ۳۱۰،۳۰۷

الجام العوام عن علم الکلام ۱۸۷،۱۸۶

الفیہ ۱۸۳،۱۴۷

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۶۸

انجیل ۳۵۷،۲۱

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۲۵۳،۲۵۲،۲۴،۲۲

انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ اتھکس ۲۵

ایضاح البرہان ۱۱۳

(ب)

بال جبریل ۳۹۹،۳۶۹

البدایہ والنہایہ ۳۰۹،۳۰۸،۳۰۶،۳۰۵،۲۰۶،۱۹۷
۳۳۰،۳۲۱،۳۱۸،۳۱۳

ابرہان ۱۸۹

بھگوت گیتا ۲۵

(ت)

التاج المکلل ۱۸۳

تاریخ ابن خلکان ۲۷۸،۱-۲،۷۹،۷۲،۳۳

تاریخ الخلفاء للسیوطی ۳۲۲،۳۲۱

تاریخ الاخلاق ۱۶۸

تاریخ الاسلام للذہبی ۱۰۲،۹۸-۱۰۰،۹۳،۹۱،۸۷

تاریخ اصبہان ۴۰

تاریخ انحطاط وسقوط روما ۳۱۷

تاریخ بغداد ۱۰۱،۹۵،۷۲

تاریخ دعوت وعزیمت ۹

تاریخ صغیر ۹۴

تاریخ طبری ۹۵،۵۰

تاریخ عہد وسطی ۳۱۷

تاریخ فلاسفۃ الاسلام ۱۴۵،۱۲۲

تاریخ الکامل ۳۱۶،۳۱۴،۳۱۳،۳۰۸،۲۵۶-۶،۶۸

تاریخ کبیر ۹۴

تاویلات القرآن ۱۱۵

التبیین عن اصول الدین ۱۱۳

تبیین کذب المفتری ۱۸۹،۱۱۴،۱۱۳،۱۰۵-۸

تثبیت النبوۃ ۲۸۱

تذکرۃ الحفاظ ۷۹،۳۳

تذکرہ دولت شاہ ۳۴۵

الترغیب والترہیب ۲۸۸

تعریف الأحیاء بفضائل الاحیاء ۱۴۷

تفسیر مولوی محمد علی ۱۲۷

تقصار جیود الاحرار ۲۲۴

التکملہ رموز الغیب ۲۲۳

تلاش ہند (DISCOUERY OF INDIA) ۲۵،۲۴

تلبیس ابلیس ۲۴۶،۲۳۹،۲۳۸،۲۳۴-۴۶

تلقیح فہوم اہل الأثر فی عیون التاریخ والسیر ۲۵۰

توریت ۳۵۷

تہافت الفلاسفہ ۱۴۲-۴۵

(ج) (چ)

جامع ترمذی ۸۰

الجامع العلوم ۸۲

جاوید نامہ ۴۰۰،۳۹۹

جلاء العینین ۲۰۱

جواہر القرآن ۱۴۶

چنگیز خاں (کتاب) ۳۱۷،۳۱۴،۳۱۰-۱۲

(ح)

حاضر العالم الاسلامی ۱۲۷

حجۃ الحق ۱۴۶

حجۃ اللہ البالغہ ۳۰۲،۸۰

حدیقۃ سنائی ۳۵۴

الحسن البصری ۶۰

حسن المحاضرہ ۲۹۹،۲۹۸،۲۸۸

حلیۃ الاولیاء ۲۴۷،۹۰،۸۹،۷۲

حماسہ ۲۸۱

الحوادث الجامعہ ۳۰۷،۳۰۶

(خ)

خبر الواحد ۱۱۳

خطبات مدراس ۷۷،۷۶

(د)

دائرۃ المعارف للبستانی ۳۱۴،۱۹۷،۶۶،۵۷،۵۶

دعوت اسلام (آرنلڈ) ۳۳۲،۳۳۰،۳۲۹،۳۲۴-۲۵

الدلائل المتعلقہ بالملائکۃ والانس ۳۰۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی گبن ۳۲۴

دیوان مولانا روم ۳۵۵، ۳۷۹

ذ

ذیل طبقات الحنابلہ ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۳

ذیل المرآۃ ۳۲۱

ر

الرد علی المنطقیین ۱۱۹

رسائل اخوان الصفا ۱۲۲، ۲۸۵

رموز الغیب ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۴

رنات الثالث ۳۲

ز

زاویۂ غزالیہ ۲۸۸

زندگانی مولانا جلال الدین ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۹

۳۵۲، ۳۵۴

س

سلطان صلاح الدین (لین پول) ۲۵۴-۵۶، ۲۶۲

۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۱

سنن ابی داؤد ۸۰

سوانح مولانا روم ۳۶۰

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ۳۴، ۳۶-۴۰، ۴۵، ۴۷، ۵۰، ۵۱

سیرۃ النعمان ۸۲

ش

الشامل ۲۴۸

شجرۃ المعارف ۳۰۲

شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ۸۲

شرح احیاء العلوم دیکھئے اتحاف السادۃ

الشرح والتفضیل فی الرد علی اہل الافک والتضلیل ۱۱۳

شفاء (ابن سینا) ۲۸۵

ص ض

صاحب المثنوی ۳۳۷، ۳۴۵

صحاح ستہ ۷۹

صحف مقدسہ ۲۱

صحیح بخاری ۷۰، ۷۹، ۸۰، ۱۸۹

صحیح مسلم ۸۰، ۱۸۹

صحیحین ۸۰

صفۃ الصفوۃ ۳۳، ۵۱، ۲۴۷

صفۃ النفاق وذم المنافقین ۶۵

صلاح الدین الیوبی (محمد فرید) ۲۶۱

الصواعق المرسلہ ۲۸۵، ۲۸۶

صید الخاطر ۲۲۷-۲۹، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۹، ۲۴۱-۴۳

۲۴۵-۴۸، ۲۵۰

ضحی الاسلام ۱۲۳

ط

طبقات ابن سعد ۶۵

طبقات ابن السبکی ۹۲، ۲۹۵

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۱۶، ۱۳۱، ۲۸۸، ۲۹۳

۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۱۹

طبقات الکبریٰ للشعرانی ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۳

ع غ

عاصمۃ نفوس المہتدین وقاصمۃ ظہور المعتدین ۱۲۵

العسجد المسبوک ۳۰۶

عقائد عضدیہ ۱۱۵

علماء سلف ۷۶، ۷۹

عوارف المعارف ۳۲۴

الغزالی ۱۴۷، ۱۶۷، ۱۸۹، ۱۹۳

ف

فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۸۲، ۱۸۳

الفتح الربانی ۲۰۸، ۲۱۰

الفتح القسی فی الفتح القدسی ۲۷۸

فتوح البلدان ۴۹

فتوح الغیب ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۰۹

فجر الاسلام ۸۱

فرہنگ انسائیکلوپیڈیا ایران اسلام ۱۲۷

فضائح الاباحیۃ ۱۴۶

فلسفۃ الاخلاق وصلاتہا بالفلسفۃ الاغریقیۃ ۱۶۸

فوز الکبیر ۶۵

فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ ۱۸۵، ۱۸۶

فیوض یزدانی ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۸

ق

قاصم الباطنیۃ ۱۴۶

قلائد الجواہر ۱۹۹-۲۰۲، ۲۱۶

قلائد العقود العقیان ۸۲

قواعد عقائد آل محمد ۱۲۶

القواعد الکبریٰ ۳۰۲

قوت القلوب ۱۳۴

قیام اللیل ۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ک

کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ ۱۰۹، ۱۱۰
کتاب الاجتہاد ۱۱۳
کتاب الأم ۸۲
کتاب الحیوان ۷۰
کتاب الخراج ۳۷، ۸۲
کتاب الخطط والآثار ۲۸۲، ۲۸۳
کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶
کتاب العبر ۲۸۸
کتاب العمد ۱۱۳
کتاب الطمع ۱۱۳
کتاب الفصول ۱۱۳
کتاب القیاس ۱۱۳
کتاب الموجز ۱۱۳
الکشف عن اسرار الباطنیہ ۲۸۱
کشف ما کان علیہ بنو عبید ۲۸۱
کلیات سعدی ۳۲۰

ل

لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد ۲۲۶، ۲۳۳

م

المامون ۷۱
مثنوی معنوی ۳۳۷، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۶۲،
۳۶۳–۷۸، ۳۸۴–۸۷، ۳۹۷، ۳۹۸
مجاز القرآن ۳۰۲
المحاسن الیوسفیہ ۲۶۲
المدونہ ۸۲
مرصاد العباد ۳۱۶
مرأۃ الجنان للیافعی ۲۲۴
مرأۃ الزمان ۳۰۵
مرأۃ المثنوی ۳۳۷
المستصفی ۱۸۹
مستظہری ۱۳۴، ۱۴۶، ۱۴۸
مسلم کریڈ (MUSLIM CREED) ۱۱۴
مسند امام احمد ۱۰۱
المعتمد ۱۸۹
المغنی ۸۲، ۱۹۸
مفصل الخلاف ۱۴۶
مقاصد الصلاۃ ۳۰۲

مقاصد الفلاسفہ ۱۴۱، ۱۴۲
مقالات اسلامیین ۱۱۳، ۱۱۴
مقدمہ ابن خلدون ۶۹
مقدمہ فتح الباری ۷۸، ۷۹
مقریزی توم ۳۲۶
مکتوبات امام غزالی ۱۶۱
مناقب ابن الجوزی ۸۷، ۹۲
مناقب ابی حنیفہ ۶۸، ۸۱
مناقب حافظ ذہبی ۹۲
مناقب العارفین ۳۴۳
مناقب عمر بن عبدالعزیز ۳۸
المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ۱۸۳، ۱۸۴
۱۹۷، ۲۴۹، ۲۵۷
المنقذ من الضلال ۱۳۱، ۱۴۱، ۱۴۶
منطق الطیر ۳۵۴
منہاج القاصدین ۱۴۷، ۱۸۲، ۱۸۴
مواہب الباطنیہ ۱۴۶
موطا ۸۰، ۲۸۲

ن

نظام الملک طوسی ۱۲۸
نصیحۃ الملوک ۱۶۱
نقد المثنوی ۳۳۷
النوادر السلطانیہ ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۷
۲۷۶، ۲۷۸–۸۱

و

وفیات الاعیان ۲۲۴
ولہوسن ۳۳۰، ۳۳۳

ہ

ہوورتھ ۳۲۳، ۳۲۴
ہندوستانی تمدن ۲۴
ہیوم ۳۲۶

ی

یوسف زلیخا ۲۳۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامات

الف

اترار ۳۱۳
احسار ۲۴۹
آذربائیجان ۱۹۷،۲۶۱
اردن ۲۷۰،۳۴۴
ارسوف ۲۷۱
ارمن ۳۴۸
ارمینیہ ۲۷۲
اسپین ۷۳،۷۶،۱۹۱،۱۹۲،۳۱۲
آسٹریلیا ۲۶۹،۲۷۰
اسفرائن ۱۶۱
اسکندریہ ۱۹۲،۲۵۶
اصفہان ۱۲۸
اغمات ۱۹۲
افغانستان ۳۳۸
افریقہ ۵۰،۷۳،۷۶،۸۲،۲۲۱
آقشہر ۳۴۰
اندلس ۷۵،۷۶،۱۲۲
انطاکیہ ۲۵۳،۲۵۴،۲۵۶
انطرطوس ۲۵۳
انگلستان ۲۶۹-۷۱،۳۱۷
ایڈیسیا ۲۵۵
ایران ۷۸،۸۰،۸۸،۱۲۷،۱۹۷،۲۶۱،۳۰۷
۳۱۱،۳۱۲،۳۲۶،۳۲۹،۳۳۰،۳۳۳،۳۳۹،۳۴۰
ایشیا ۲۴،۷۳،۷۶
ایشیائے کوچک ۳۱۰
ایلیہ ۲۷۱

ب

باب البستان ۹۶
بجایہ ۱۹۲
بخارا ۷۵،۳۱۴،۳۲۵
برز ۹۷
برگنڈی ۲۷۰
بصرہ ۵۷،۶۵،۶۷،۸۶،۸۷،۱۰۵،۱۰۷

بعلبک ۲۶۱
بغداد ۶۷،۷۰،۷۱،۷۸،۷۹،۸۶،۸۷،۸۹،۹۲،
۹۴-۹۶،۱۱۴،۱۱۶،۱۱۸،۱۲۱،۱۳۱،۱۳۳،۱۳۵
۱۳۶،۱۳۹،۱۴۰،۱۴۷،۱۸۸،۱۸۹،۱۹۴-۹۸
۲۰۱،۲۰۶،۲۰۷،۲۱۷،۲۱۸،۲۲۴-۲۷،۲۳۳
۲۴۹،۲۵۱،۲۵۷،۲۶۱،۲۸۸،۲۹۴،۲۹۸،۳۰۶
۳۰۷-۱۰،۳۱۳،۳۱۷-۲۰،۳۲۵،۳۳۰،۳۴۰،۳۴۴
بقیعہ ۲۵۹
بلاد متوسطی ۳۳۰
بلاد مغرب ۴۹
بلاد مابین النہرین ۳۰۶
بلخ ۳۳۸-۴۰
بمبئی ۲۵

ت ٹ

تالیس ۱۹۷
تبریز ۳۴۴
ترکستان ۷۸،۲۴۹،۳۰۷،۳۱۱،۳۱۲
ترکی ۲۶۱
تکریت ۲۶۱
تیل ۱۹۲
ثاگوت ۳۳۳

ج چ

جاوا ۲۲۱
جرجان ۱۳۰
جرمنی ۲۱
جزیرہ ۸۷،۲۸۴،۳۰۶
جزیرۃ العرب ۸۰
جیلان (دیلم) ۱۹۷
چین ۳۳۳

ح

حارم ۲۶۱
حجاز ۷۵،۸۷،۸۸،۱۳۷،۲۵۴،۲۸۵،۳۱۰
حضرموت ۲۲۱
حطین ۲۶۲،۲۶۷،۲۶۹،۲۷۰
حلب ۲۵۳،۲۶۷،۳۴۱،۳۴۲
حمص ۲۵۸،۲۵۹،۲۹۲
حیدرآباد ۱۰۹،۲۵۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خ

خراسان ۴۹، ۷۱، ۷۶، ۸۶، ۱۶۰، ۳۲۹، ۳۳۸، ۳۴۰

خلیج عجم ۳۱۱

خوارزم ۳۱۴

د

دائرۂ شاہ علم اللہؒ ۱۰، ۱۶

دمشق ۶۷، ۱۳۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۱-۹۳، ۳۲۰، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۵۱

دمیاط ۲۵۶، ۳۰۶

دوین ۲۶۱

ر ز

رائے بریلی ۱۰، ۱۶

الرہا ۲۵۳، ۲۵۵

رحبہ غسان ۷۹

رقہ ۷۱، ۹۵، ۹۶، ۱۰۰

رملہ ۲۷۰، ۲۷۶

روس ۳۱۷

روم ۹۱، ۳۰۵، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۵۴

رے ۸۸، ۳۱۴، ۳۱۶

زنجان ۳۱۴، ۳۴۴

س

سرخس ۸۶

سماٹرا ۲۲۱

سمرقند ۱۱۵، ۳۱۴

سنجاس ۳۴۴

سویڈن ۳۱۷

سویز ۷۶

سیرادادرا ۳۲۵

ش

شام ۸۰، ۸۷، ۲۵۲-۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۸۴-۸۶، ۲۸۹، ۳۰۵، ۳۱۰، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۴۸، ۳۵۱

شیراز ۱۰۷

ص

صحرائے نوبہ ۲۷۲

صخرہ ۱۳۶

صقلیہ ۲۶۹، ۲۷۰

صنعاء ۸۸

صور ۲۷۲

صیدا ۲۹۱

ط

طابران ۱۳۰، ۱۸۹

طرابلس الشرق ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۶

طرطوس ۹۵

طنجہ ۷۶

طوس ۱۳۰، ۱۶۲، ۱۸۷، ۱۸۸

طہران ۳۱۸

ع

عالم اسلام ۹، ۱۲، ۱۵، ۲۷، ۳۰، ۵۷، ۷۱، ۸۶، ۸۸، ۹۱، ۱۱۴-۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۸۸، ۱۹۴-۹۶، ۲۰۱، ۲۱۷، ۲۲۱، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۶۲، ۲۷۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۵، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۴-۱۷، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۳۵-۳۷، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۹۷، ۳۹۸

عجم ۷۵، ۱۹۷

عرب ۳۴، ۲۷۱

عکہ ۲۵۳، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۸۱

عین جالوت ۳۲۱، ۳۲۲

ف

فرانس ۲۶۹-۷۱

فلانڈرز ۲۷۰

فلسطین ۲۵۲-۵۴، ۲۵۶، ۲۶۳-۶۵، ۲۷۰

ق

قاہرہ ۲۸۵، ۳۲۵

قدس ۲۵۴

قراقورم ۳۱۳

قزوین ۳۱۴

قسطنطنیہ ۲۷۲

قیصرہ ۲۹۰

قونیہ ۲۴۰-۴۲، ۳۴۷-۴۹، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۵، ۳۵۷

قیصریہ ۳۴۴

ک ل

کاشغر ۳۳۱، ۳۳۳

کالنوا ۳۳۳

کردستان ۲۷۲

کرک ۲۹۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکلاسہ ۲۷۳

کلکتہ ۷۶

کوفہ ۵۷، ۶۸

کیمبرج ۳۱۷

لارندا ۳۴۰

لکھنؤ ۱۱

(م)

مازندران ۱۹۷

ماوراء النہر ۴۹، ۱۱۴

مدینہ منورہ ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۶۴، ۶۸، ۱۳۷، ۲۵۴، ۲۶۶، ۳۰۵

مراکش ۱۹۲

مرو ۸۶، ۳۱۴

مشرع الزوایا (بغداد) ۱۱۴

مصر ۷۵، ۸۰، ۸۲، ۱۱۵، ۱۹۲، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۹۰-۹۹، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۳۶

مغرب ۲۹، ۱۴۵، ۱۹۲، ۲۸۵

مقام خلیل ۱۸۸

مکہ معظمہ ۵۷، ۸۸، ۱۳۷، ۲۵۴، ۲۶۶، ۳۰۵، ۳۴۰

ملاطیہ ۳۴۰

منصورہ ۲۹۵

موصل ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۷۱

مولد مسیح (بیت اللحم) ۲۵۲

مہدیہ ۱۹۲

(ن)

نابلس ۳۰۵

نیشاپور ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۸۷، ۳۱۴

(ہ)

ہرات ۳۳۹

ہمدان ۳۱۴، ۳۱۶

ہندوستان ۹، ۱۵، ۲۴-۲۶، ۴۹، ۱۲۷، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۵۰، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۹۸

(ی)

یافا ۲۵۴، ۲۷۰، ۲۷۱

یمن ۳۸، ۴۴، ۷۶، ۸۸، ۲۲۱

یروشلم ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸-۷۱

یورپ ۲۲، ۳۸، ۷۳، ۷۶، ۱۹۳، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۶۹، ۳۹۸

متفرقات

قلعے۔ نہر و دریا:

قلعۂ الیلیان ۳۲۱

قلعۂ بانیاس ۲۵۶، ۲۶۱

قلعۂ بعلبک ۲۶۱

قلعۂ حارم ۲۵۶، ۲۶۱

قلعۂ حصن الاکراد ۲۵۹

بحر احمر ۷۶

بحر خوارزم (آرال) ۳۱۰

بحر قزوین ۱۹۷

بحر الکاہل ۲۴

بحر ہند ۲۴

خلیج عجم ۳۱۰

دجلہ ۳۰۶

فرات ۲۵۵، ۳۰۶

کوہ طور ۲۳۶

مساجد و مقدس مقامات و معبد:

بیت اللہ شریف (کعبہ) ۱۲۶، ۲۰۳، ۳۰۷

بیت المقدس۔ مسجد اقصیٰ ۱۳۶، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۶، ۲۹۲، ۳۰۳

جامع اموی ۲۸۸

جامع مسجد دمشق ۱۳۶

جامع منصور بغداد ۲۵۱

مسجد عمر ۲۵۳

باب کعبہ ۱۲۶

روضۂ اطہر ۲۵۴

مطاف ۲۰۳

چرچ ۲۲

کلیسا ۲۲

درس گاہیں، ادارے اور مطابع:

الفنسٹن کالج بمبئی ۲۵

جامعۃ القاہرہ ۱۶۸

طہران یونیورسٹی ۳۱۸

مدرسہ حلاویہ۔ حلب ۳۴۲

مدرسہ خداوندگار ۳۴۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدرسہ صالحیہ ۲۹۳

مدرسہ قونیہ ۳۴۱

مدرسہ مقدسیہ۔ دمشق ۳۴۲

مدرسہ مستنصریہ ۳۰۶

مدرسہ نظامیہ ۱۸-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۸۷، ۱۸۸

کتب خانہ ندوۃ العلماء ۳۱۶

دارالمصنفین اعظم گڑھ ۳۳۷

دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۱۰، ۲۵۰

مطبع السعادہ۔ مصر ۳۲۲

مطبع صدیقی ۳۰۴

مطبع علامیہ۔ مصر ۱۴۳

مطبع محمدی۔ دہلی ۶۵

النہضۃ المصریۃ ۲۲۴

مذاہب وادیان، عقائد و فلسفہ:

اسلام ۹، ۱۱-۱۳، ۱۷-۲۰، ۲۷-۲۹، ۴۰-۴۳، ۴۵، ۴۹، ۶۳-۶۵، ۷۲، ۷۳، ۷۷، ۸۰، ۸۲، ۸۴، ۹۱، ۱۰۴، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶-۱۲۹، ۱۳۴، ۱۳۶-۱۳۸، ۱۴۱، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۲۱، ۲۵۲-۲۵۵، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۲۱-۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۷-۳۳۰، ۳۳۳-۳۳۵، ۳۳۹، ۳۴۸، ۳۹۸

اسماعیلیت ۲۸۳، ۲۸۶

اشعریت۔ اشعری عقائد ۱۱۷، ۱۱۸، ۲۸۸

امامیہ ۲۸۳

باطنیت۔ مذہب باطنی ۱۹، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۲۰۷، ۲۸۵، ۳۰۷

برہمنیت ۲۴، ۲۵

بودھ مت ۲۴، ۲۵، ۳۲۹، ۳۳۳

جہمیت ۲۷

(عقیدۂ) خلق قرآن ۲۷، ۸۶، ۹۵، ۹۶، ۱۰۱، ۱۰۳

دین الٰہی (اکبر) ۲۸

شیعیت ۲۸۳

قادیانیت ۱۲۷، ۱۲۸

قدریت ۲۷

مادیت ۲۷

مذہب اعتزال ۲۷، ۸۵، ۸۶، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۵، ۱۲۳

مذہب الیسانی (ESSENIO) ۲۱

مذہب بابی ۱۲۷

مذہب حنبلی ۹۶، ۲۰۲

مذہب شافعی ۲۰۲، ۲۷۴

مذہب شامان ۳۲۹

مذہب عیسائی۔ مسیحیت ۱۰، ۲۰-۲۳، ۳۲۳

(عقیدۂ) وحدۃ الوجود ۲۶-۲۸

ہندومت۔ ہندو مذہب ۱۰، ۲۲-۲۵

مذہبی، اسلامی اور اصطلاحی الفاظ:

اجماع ۱۳۳

آخرت ۱۲۶، ۱۳۵، ۱۴۸

استلام ۴۳

اسلامی معاشرہ ۵۳، ۷۳

بحث ومناظرہ ۱۵۴، ۱۵۵

بیعت ۸۱، ۱۹۱

تذکیر ۱۵۵

تزکیہ ۱۳۶، ۱۴۷

تصوف ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۶۳، ۱۹۱، ۲۲۴

تقدیر ۸۵

توحید ۲۵، ۱۵۵

جاہلیت ۳۱، ۳۲، ۴۱

جبر واختیار ۸۵

جزیہ ۳۷، ۴۷

جنت ۱۲۴، ۱۲۶

جہاد ۹۱

حج وزیارت ۳۶، ۸۸، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۶۴

حدیث ۲۹، ۴۰، ۷۳-۷۵، ۷۸-۸۱، ۸۴، ۸۸، ۸۹، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۷۰، ۱۸۳، ۱۸۴

حرام ۱۲۴، ۱۵۹

حلال ۹۰، ۱۲۴، ۱۵۷

خراج ۳۸، ۴۷، ۱۵۷

ختم نبوت ۱۲۷

خلافت ۲۹، ۳۵، ۳۹، ۴۰، ۵۱، ۶۷، ۱۳۱، ۱۵۳، ۱۸۹

دجال ۱۲۷

دوزخ۔ جہنم ۱۲۴، ۱۲۶

رسالت ۱۲۴

رسم حلف۔ محالفت ۴۱

رشوت ۱۵۷

روزہ۔ صیام ۱۲۴، ۱۲۶

رمی ۱۵۱

رؤیت باری ۸۵

زکوٰۃ ۵۰، ۱۲۴، ۱۲۶

سبق ۱۵۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت ۲۹، ۳۱، ۳۹، ۸۹، ۹۲، ۹۴، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۲۰۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۴، ۲۸۳، ۲۸۵، ۳۰۵
شریعت ۱۲۴
صلاۃ۔نماز ۱۲۴، ۱۲۶
ظہار ۱۵۱
عجمی روح ۶۹
عربی روح ۶۹
عقل اول ۱۲۸
فرض، واجب ۱۲۴، ۱۲۷
قیامت ۶۲
لعان ۱۵۱
مبدأ اول ۱۲۴
متعہ ۸۵
مستحب ۱۲۷
معاد ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶
معجزہ ۳۴، ۱۲۷، ۱۷۷، ۱۸۴
ملائکہ ۱۳۴، ۱۲۶، ۱۵۹
نبوت ۳۷، ۳۹، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۸۹، ۱۱۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۸
نزول مسیح ۱۲۷
نفاق ۶۳–۶۶
وحی ۶۵، ۸۹، ۱۱۱، ۱۲۳، ۱۲۶
وضو ۱۲۷

علوم وفنون:

اخلاقیات ۱۳۳
اصول فقہ ۱۰۸
ریاضیات ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۴۲
سائنس ۳۹۸
سنسکرت ۲۶
سیاسیات ۱۳۳
طبعیات ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۴۲
علم الاصنام ۱۲۰
علم تصوف ۱۳۶
علم الکلام ۲۸، ۲۹، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۷، ۳۳۵، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۹۲، ۳۹۸
علم ہیئت ۱۲۸
علوم شرعیہ ۲۸۷
علوم عقلیہ۔عقلیات ۱۱۳، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۸۹، ۱۹۱
علوم نقلیہ ۱۲۸، ۱۸۹، ۱۹۰
فقہ ۲۹، ۷۳، ۷۴، ۱۵۵

فقہ اسلامی ۸۲
فقہ شافعی ۸۲، ۱۳۰، ۱۶۷
فقہ مالکی ۸۲
فلسفہ ۲۵، ۲۹، ۸۴، ۱۱۱، ۱۱۹–۲۱، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۴–۴۶، ۱۵۶، ۱۸۲، ۳۳۵، ۳۹۶، ۳۹۸
فلسفۂ اخلاق ۱۶۸
فلسفۂ الٰہیات۔الٰہیات ۸۴، ۱۲۰–۲۲، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۴۲
فن اسماء الرجال ۷۶
مسئلۂ عدل ۸۵
معقولات ۱۴۵
منطقیات ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۲
یونانی فلسفہ ۸۴، ۸۵، ۱۲۰، ۱۲۲

زبان:

سریانی ۸۴، ۱۲۰
سنسکرت ۲۵، ۲۶، ۱۲۰
عربی ۳۳، ۱۲۰
فارسی ۱۲۰
یونانی ۱۲۰

سلطنتیں وحکومتیں:

تاتاری سلطنت ۳۳۳
حکومت امویہ۔خلافت امویہ ۳۴، ۵۸، ۶۷، ۶۹
خلافت راشدہ ۳۱، ۳۵
خلافت عباسیہ۔سلطنت عباسیہ ۶۷، ۶۹، ۸۵، ۱۸۸، ۳۰۷، ۳۱۸، ۳۱۹
خوارزمی سلطنت ۳۰۸
دولت ایلخانیہ ۳۲۶
دولت مغلیہ ۳۲۹، ۳۳۳
خقانیہ سلطنت ۳۳۲، ۳۳۳
سلجوقی سلطنت ۲۵۲، ۲۵۴، ۳۱۰
عبیدی سلطنت (فاطمی) ۳۸۲، ۲۸۳
لاطینی سلطنت ۲۵۵
ولایت انطاکیہ ۲۵۳

عہد وادوار:

زمانۂ صحابہ ۸۰
عہد اموی ۳۱–۳۳، ۴۱، ۸۶
عہد رسالت۔عہد نبوت ۶۴، ۶۵، ۸۰، ۱۳۸
عہد صدیقی ۸۶
عہد عباسی ۲۰۶، ۳۰۶

سکے:

اشرفی ۷۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاندی ۳۳۱
دینار ۷۷،۶۹،۳۶
روپیہ ۶۹
سونا ۳۳۱،۳۲
قنطار ۶۹
گنی ۷۷

تحریکات و سلاسل طرق:

اخوان الصفا ۲۸۵،۱۲۲،۱۲۱
جماعت اصلاح و تبلیغ۔ لکھنؤ ۱۱
فری میسن ۱۲۱
سلسلۂ قادریہ ۲۲۱
طریقۂ سہروردیہ ۲۲۴

اہم واقعات و معرکے:

آتش نمرود ۱۴۶
ذبح ابراہیمؑ ۱۲۶
طوفان نوحؑ ۱۲۶
عصائے موسیٰؑ ۱۲۶
فتنۂ اعتزال ۱۰۳
فتنۂ باطنیت ۱۲۳
فتنۂ تاتار ۳۰۳،۹
فتنۂ خلق قرآن ۹۵،۹۴،۹۱،۹۰،۸۴
واقعۂ ارتداد ۲۵۴
واقعۂ حصن الاکراد ۲۵۹
واقعۂ کربلا ۶۸
جنگ حطین ۲۶۴
جنگ خارا ۳۲۷
معرکۂ بقیعہ ۲۵۹

دیگر متفرقات:

بت۔ مورت ۲۴-۲۶
جرجیر ۲۸۴
چقماق ۱۸۱
حجر اسود ۳۳
زقوم ۱۷۷
شطرنج ۱۷۵
صلاۃ الرغائب ۲۸۸
صلیب ۳۲۰،۳۲
صنوبر ۲۰۸
عنبر ۷۰
فرسخ ۷۵
مشک ۷۰
ملوخیا ۲۸۲
منجنیق ۹۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ